جلد نمبر	۲۰
شمارہ نمبر	۷
رجب	۱۴۰۵ھ
اپریل	۱۹۸۵ء

فون نمبر

رہائش	۲
دارالعلوم	۴
الحق	۴۰

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ -/۴۰ روپے — فی پرچہ چار روپے

بیرون ملک بحری ڈاک چھ پونڈ — ہوائی ڈاک دس پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

ارکانِ پارلیمنٹ علماء اور مسلمانوں کا فریضہ

پارلیمنٹ، کابینہ اور صوبائی حکومتوں کی تشکیل کے بعد ایسا لگتا ہے کہ اس مقصدِ عظیم (نفاذِ اسلام) کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ جس کا آٹھ سال سے غلغلہ رہا جس کے پس منظر میں ریفرنڈم ہوا اور جس کے مناظر میں الیکشن ہوا یہ مارشل لاء کے کھوکھلے وعدوں کا ردِ عمل ہے یا مغربی جمہوریت کا منطقی نتیجہ یا مسلم ممالک کی اس بے بسی اور بدقسمتی کا ظہور جس کی بنا پر ان ممالک کو کسی نظام کو عملی تشکل دینے کا بھی حق نہیں اور جس کا ریموٹ کنٹرول دنیا کی سپر طاقتوں کے پاس ہے۔ یہی تماشا سوڈان میں دیکھا گیا اور یہی کھیل ہمارے ہاں عرصہ سے جاری ہے ہمیں اسلام سے وابستگی کا اتنا حق ہے جتنا امریکہ سرکار چاہے یا پھر آزادی کے بھی اتنے سزاوار جو سرخ سامراج کو گوارا ہو۔

آج ارکانِ پارلیمنٹ اور سیاسی و قومی زعماء کا سارا ہدف سیاسی جماعتوں کی بحالی، ۱۹۷۳ء کے آئین میں کی گئی ترامیم یا مارشل لاء کی حسن و قبح بن چکی ہیں جبکہ اسلامی نظام کے مکمل اور فوری نفاذ اور کئے گئے ادھورے اقدامات کی تکمیل اور دستور کو مکمل اسلامی بنانے کا سارا کام پس منظر میں چلا گیا ہے۔ جبکہ ہماری مصیبتوں کا علاج نہ مارشل لاء ہے نہ جمہوریت، نہ عصرِ حاضر کی سیاست بازی۔ پھر نہ تو عوام نے صدرِ پاکستان کو ان باتوں کیلئے ریفرنڈم میں اعتماد (مینڈیٹ) دیا نہ یہ انتخابات کی بنیاد بنے۔ ایسے حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء، پوری قوم اور ارکانِ پارلیمنٹ کی تمام توجہات اور کوششوں کا محور صرف اور صرف اسلامی نظام کا فوری نفاذ بن جائے اور جس حکومت نے آٹھ سال اسلامی نظام کے نعروں اور ہنگاموں سے اپنے اقتدار کا بازار گرم رکھا اسے اب عملاً اسلام کی مکمل آئینی بالادستی اور عملی نفاذ پر مجبور کر دیا جائے۔ اس وقت پارلیمنٹ میں شریعت بل یا کسی دوسرے آئینی طریق کار کی صورت میں ۱۹۷۳ء کے دستور میں ایسی ترامیم کروانی چاہئیں کہ اسلام کو عدالتی، قانونی، معاشی، معاشرتی اور سماجی لحاظ سے مکمل بالادستی حاصل ہو جائے تمام غیر اسلامی قوانین فوری اور یکلخت کالعدم ہو جائیں اور کسی حکومت کا ہر وہ اقدام قانوناً کالعدم اور قابلِ شدید تعزیر بن جائے جس سے کسی اسلامی حد یا حکم کی خلاف ورزی اور دینی اقدار کی توہین ہوتی ہو۔

اس جد و جہد اور جہاد کیلئے جہاں پارلیمنٹ کے اندر محنت کرنے فضا سازگار اور ارکان کو ہم خیال بنانے کی بھرپور اور مؤثر کوشش کی ضرورت ہے، وہاں پارلیمنٹ سے باہر بھی عامۃ المسلمین بالخصوص علما اور دینی طبقوں کو منظم کرنے اور توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ کہ وہ دائیں اور بائیں کے مروجہ سیاسی بکھیڑوں

سے نکل کر ہمہ تن اس عظیم اور اولین مقصد نفاذِ شریعت کیلئے منظم ہو جائیں اس بارہ میں حکومت، وزراء، ارکان پارلیمنٹ اور سیاسی زعماء کی ہر بڑی چھوٹی بات اور اقدام پر کڑی نگاہ رکھیں اور سختی سے احتساب کریں اس مقصد کیلئے کوئی نہ کوئی اجتماعی ڈھانچہ ناگزیر ہے جبکہ بدقسمتی سے علماء کی ایک بڑی طاقت اس وقت یمین و یسار میں بٹی ہوئی ہے یا وہ ان سیاستدانوں کے مذموم عزائم کی دانستہ یا نادانستہ آلہ کار بن گئی ہے، جن کی لادینیت نوازی، دین سے بیزاری اور اسلامی نظام کے بارہ میں کافرانہ خیالات اور ماضی میں طرزِ عمل اور رویہ کسی سے مخفی نہیں اور جو علی الاعلان اس وقت بھی اپنے لادینی افکار کی ملک و بیرونِ ملک پرچار کرنے میں قباحت محسوس نہیں کرتے اور جن میں سے بعض تو اس وقت ملک کی وحدت اور سالمیت کو تباہ کرنے پر بھی تلے ہوئے ہیں ایسے سیاسی عناصر کا تابع مہمل بن جانے کی صورت میں اور جو کچھ بھی ہوگا ہو سکے گا۔ مگر دین، اہلِ دین اور اسلام کے حصہ میں تو صرف اور صرف حرمان نصیبی آئے گی اور اہلِ دین کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر بام اقتدار تک پہنچانے والوں کے خلاف دوبارہ از سرِ نو ایک طویل اور نہ ختم ہونے والی جد و جہد کا بازار گرم کرنا پڑے گا۔ ہم مارشل لاء کو صد ہزار قابلِ نفرین و ملامت سمجھتے ہیں۔ بالخصوص وہ مارشل لاء تو لعنت کی مستحق ہے جس میں دین اور اسلام کی کوئی بھلائی نہ ہو اور جو اسلامی انقلاب کا بھی ذریعہ نہ بن سکے۔ لیکن موجودہ سیاسی نعروں اور ایم آر ڈی جیسی وحدتوں اور محاذوں کو سہارا دیکر اور ان کی بندوقوں کو اپنے کندھوں پر چلا کر اور ان کی مردہ اور متعفن لاشوں میں نئی روح پھونک کر قوم کے سروں پر مسلط کرنے کو بھی عند اللہ ملک و ملت بالخصوص دین اور اہلِ دین کے ساتھ ایک ظلمِ عظیم سمجھتے ہیں۔ کہ ان کے ذریعہ اسلام کی بالادستی کی توقع کرنا بھی عقل و خرد کی موت اور علم و فہم کا ماتم ہے۔ ایسا ہو جانا خدائی الفاظ میں گویا حتی یلج الجمل فی سم الخیاط ہے۔

بہر تقدیر ناچیز کی حقیر رائے میں موجودہ حالات میں اصوب اور احوط راستہ یہی ہے کہ پوری قوم اور علمی و دینی حلقے منظم ہو کر اپنی ساری محنت، توجہات اور صلاحیتیں موجودہ حکومت اور پارلیمنٹ سے مکمل طور پر نفاذِ شریعت کا مطالبہ منوانے پر مرتکز کر لیں اگر اس کے دلوں میں زیغ ہے یا نفاق تو ایسی بھرپور جنگ لڑی جائے کہ برسرِ اقتدار طبقہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے۔ ادھر پارلیمنٹ کے تمام ارکان کا اپنے اپنے حلقوں میں سختی سے محاسبہ شروع ہو جائے کہ وہ اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں ہر قسم کے لالچ و خوف سے بالاتر ہو کر اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ ان تمام ارکان پر اللہ تعالیٰ اور قوم و ملک کی جانب سے جو فریضہ عائد ہوتا ہے اس احساسِ مسئولیت کی بنا پر فی الوقت حضرت شیخ الحدیث مولانا

عبدالحق ممبر قومی اسمبلی نے حسب ذیل مراسلہ کی صورت میں ارکان قومی اسمبلی و سینیٹ کو موجودہ حالات اور ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس سلسلے کا پہلا قدم ہے، ہماری کوشش ہے کہ اجلاس سے قبل اسلام آباد میں ہم خیال ارکان کا ایک اجتماع بھی منعقد کیا جاسکے اور کسی بل یا قرارداد کی شکل میں شریعت کی مکمل بالادستی کیلئے آئین میں ترامیم کی کوئی صورت نکالی جائے۔ نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔——

وما ذلک علی اللہ بعزیز۔　　　　(سمیع الحق)

حضرت مولانا کا مکتوب حسب ذیل ہے :

گذارش ہے کہ موجودہ انتخابات جن حالات میں ہوئے ہیں۔ اور ان کے نتائج سے ملک کے سیاسی اور نظریاتی مستقبل کا جو نقشہ سامنے آرہا ہے۔ وہ آپ جیسے تجربہ کار بزرگ سے مخفی نہیں ہے۔ میں اس موقع پر ضروری سمجھتا ہوں کہ پارلیمنٹ کے ان ارکان کو جو ملکی سالمیت کے تحفظ اور اسلامی نظام کے عملی نفاذ میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ موجودہ حالات کی روشنی میں ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاؤں۔ مجھے امید ہے کہ آنجناب پوری سنجیدگی کے ساتھ میری ان معروضات پر غور فرمادیں گے۔

—— برطانوی استعمار ہمارے اس خطہ زمین پر کم و بیش دوسو برس حکمرانی کے بعد ۱۹۴۷ء کو یہاں سے چلا گیا۔ لیکن اس نے اپنے استعماری نظام کو چلانے اور قائم رکھنے کیلئے جو انتظامی، عدالتی، معاشرتی اور معاشی ڈھانچہ قائم کیا تھا وہ ابھی تک موجود ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ ہمارے بیشتر مسائل کے وجود اور ان کے الجھاؤ کا باعث ہے۔ بلکہ ملک میں مؤثر تبدیلی اور اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

—— روسی استعمار افغانستان میں فوجی جارحیت کے ذریعے اپنا قبضہ مستحکم بنانے میں مصروف ہے اور اسکی جارحیت کا دائرہ پاکستان تک وسیع ہو رہا ہے۔ یہ جارحیت صرف فوجی نہیں۔ بلکہ روس نظریاتی اور فکری یلغار کے ذریعہ بھی پاکستان اور جنوبی ایشیا کے دیگر ممالک کو ان کے دینی و نظریاتی تشخص سے محروم کرکے انہیں اپنے دائرۂ اثر و تصرف میں شامل کرنا چاہتا ہے۔

—— پاکستان کے اندر بعض سیاسی حلقوں کیطرف سے اسلام اور اسلامی نظام

کی کھلم کھلا مخالفت کے رجحانات فروغ پا رہے ہیں۔ اور اسلام کے منصوص احکام کے خلاف نام نہاد اجتہاد اور الحاد کے نام پر تجدد پسندی کا دروازہ کھول کر اسلام کے بیسل کو لادینی نظریات اور قوانین پر چسپاں کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔
— قادیانیت اور دیگر اسلام دشمن گروہوں کی سرگرمیاں دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں اور ان کو ان تمام عناصر و عوامل کی حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے۔ جو اسلام کی مکمل عملداری سے خائف ہیں۔

ان حالات میں اسلام اور ملک سے محبت رکھنے والے ارکان پارلیمنٹ کا فریضہ ہے۔ کہ وہ پارلیمنٹ میں اپنے کردار اور پالیسیوں کا تعین انتہائی غور و فکر اور سنجیدگی کے ساتھ کریں۔ تاکہ وہ خدا تعالیٰ عوام اور ملک کی طرف سے سپرد کردہ ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کر سکیں۔

اکابر احباب کے مشورہ سے میرا ارادہ ہے کہ قومی اسمبلی کے بجٹ اجلاس کے آغاز سے ایک دو روز قبل یا دوران اجلاس اسلام آباد میں پارلیمنٹ اور دیگر اسمبلیوں کے ان ارکان کے اجتماع کا اہتمام کیا جائے۔ جو ۱۔ فرنگی نظام کا خاتمہ ۲۔ اسلامی نظام کے مکمل نفاذ۔ ۳۔ اشتراکیت، قادیانیت اور دیگر اسلام دشمن تحریکات کے مقابلہ اور ۴۔ پاکستان کے نظریاتی تشخص اور سالمیت کے تحفظ پر یقین اور ان مقاصد کیلئے جدوجہد کرنے کا عزم رکھتے ہیں تاکہ ہم باہمی مشاورت کے ساتھ کوئی منظم پروگرام وضع کر سکیں۔

آنجناب سے گذارش ہے کہ گہرے غور و فکر اور سنجیدہ توجہ کے ساتھ میری ان معروضات کے بارے میں اپنی گرانقدر رائے اور تجاویز سے آگاہ فرمادیں۔ تاکہ ان آراء و تجاویز کی روشنی میں حتمی پروگرام طے کیا جا سکے — امید ہے آنجناب کے مزاج بعافیت ہوں گے۔

والسلام

جواب کا منتظر

عبدالحق عفی عنہ

ممبر قومی اسمبلی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ
ضبط و ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہل حق

پسندیدہ درود | ۲ اپریل ۸۵ء ۔ ایک صاحب کو صبح و شام مختلف اوراد اور وظائف تلقین فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ دن میں سو مرتبہ یہ درود شریف بھی پڑھ لیا کرو۔

اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ اٰلِ محمدٍ کما تحب وترضیٰ عدد ما تحب وترضیٰ

ارشاد فرمایا مجھے یہ درود بے حد پسند ہے۔ ایک درود تو یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات ذکر کریں۔ اور اپنے فہم اور عقل سے حضورؐ پر نزول رحمت کی تعیین کریں دوسرا یہ کہ خود اللہ پاک اپنے بے پناہ فضل و کرم سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان اپنی رحمتیں نازل فرمادے حضرات محدثین نے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے۔ ہم اللہ کی رحمتوں کی جس نوع کی بھی تعین کریں گے وہ یقیناً ناقص ہو گی۔ آپ کی اعلیٰ اور ارفع شان کے ہرگز موافق نہ ہو گی۔ اور اس میں ایک گونہ سوء ادب کا بھی ابہام ہے۔ مجھے اس پر ایک قصہ یاد آیا۔ کہ ایک بوڑھی عورت کا کسی جج کے پاس مقدمہ تھا حسنِ اتفاق سے جب فیصلہ بوڑھی کے حق میں ہوا، تو اس نے جج کے لئے دعائیں دینا شروع کیں اور کہا اللہ تجھے مزید ترقی دے اور تھانیدار بنادے۔

جج نے بوڑھی سے کہا محترمہ! تجھے کیا ہو گیا ہے میں نے تیرے ساتھ کیا برائی کی ہے کہ تُو نے بددعا دینا شروع کردی ہے۔ بوڑھی نے کہا، میں کب بددعا دے رہی ہوں۔ میں تو آپ کی ترقی اور تھانیدار بننے کی دعا کررہی ہوں جج نے کہا کہ تھانیداری تو میرے موجودہ عہدہ سے کم ترین عہدہ ہے۔ اور جج کی نسبت تھانیدار کی تو کوئی پوزیشن نہیں ہوتی ــــ بوڑھی نے کہا :۔

میں تو تھانیدار کو بڑا آدمی سمجھ رہی تھی۔ کہ ہمارے گاؤں کے سب لوگ اس سے ڈرتے ہیں اور سب اس کی قدر کرتے ہیں۔ تو جس طرح عورت نے اپنے خیال اور فہم و عقل سے ایک مرتبہ کی تعیین و تحدید کردی تو فائدہ کے بجائے نقصان ہوا۔ اسی طرح اگر ہم بھی اپنے عقل و فہم سے حضورؐ پر نزول رحمت کی ایک نوع کی تعیین یا نزول برکت کی تحدید کردیں گے۔ تو یہ بوڑھی کی تحدید و تعیین سے کسی طرح بھی کم نہ ہو گی۔ ہم کیا اور ہماری عقل کیا۔ تو اس درود میں ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ درخواست پیش کرتے ہیں کہ آپ کے بے پناہ فضل و کرم اور

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعت شان کے مناسب جتنی رحمتیں اور برکتیں آپ کی رضا اور پسند ہوں لاتعدُّ ولاتحصٰی نازل فرمایئے۔

چاند، خلائی تسخیر اور اسلام | ۳ر اپریل ۸۵ء نماز عصر کے بعد قدیم دارالعلوم حقانیہ (مسجد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ) حسب معمول حاضر خدمت ہوا۔ حضرت مدظلہ معتقدین ومخلصین اور مہمانوں کے مجمع میں گھرے ہوئے تھے۔ پشاور، پلوسئی اور جمرود سے مہمان وفود کی شکل میں آئے تھے حسب معمول افغان مجاہدین کی ایک جماعت بھی حاضر تھی، کہ ایک صاحب نے عرض کیا۔

حضرت! ہمارے شہر میں ایک مولوی صاحب ہیں۔ بڑے دیندار، نیک اور صالح، ان کی ہر بات دیانت کے معیار پر پوری اترتی ہے۔ ہمیشہ جو بات کہتے ہیں سچ کہتے ہیں تمام گاؤں ان کی سچائی کا قائل ہے۔ مگر چند روز قبل انہوں نے بھی ایک غلط بات کہنا شروع کردی ہے اور کہا ہے کہ لوگ چاند تک پہنچ گئے ہیں۔ حالاں کہ چاند تو آسمان میں ہے اور آسمان میں جانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے فرمایا۔

ایسا نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس میں قدرے تفصیل ہے۔ قدیم ریاضی میں سارے اجرام فلکی شمس وقمر، مریخ اور عطارد اور ثوابت کو آسمان میں ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اور کہا جاتا تھا کہ چاند پہلے آسمان میں ہے۔ سورج چوتھے آسمان میں ہے اور ثوابت ساتویں آسمان میں ہیں۔

تو یہ قدیم یونانیوں کا فلسفہ ہے جو ستاروں کو فلک الافلاک میں مانتے ہیں۔ اب جب سائنسدان چاند پہ پہنچنے لگے ہیں یا مریخ اور مشتری پر جانے کی کوشش کر رہے ہیں تو واپس آکر کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے چاند کا اور مریخ ومشتری کا بھی۔

ان کی اس بات سے سادہ لوح مسلمان غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو یہ لوگ آسمانوں کی سیر کرنے لگے ہیں حالاں کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے آسمان میں رسائی کسی کے لئے ممکن نہیں۔ الّا معجزۃً وکرامۃً حالاں کہ واقعہ یہ نہیں بلکہ یہ تو قدیم یونانیوں کا سائنسی نظریہ ہے۔ کہ اجرام فلکی، فلک میں ایسے لگے ہوتے ہیں جیسے میخ دیوار میں۔ مگر یہ نظریہ نہ شریعت کا ہے اور نہ کسی اسلامی تعلیم نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ اہل سنّت والجماعت کا مسلک تو یہ ہے کہ جملہ اجرام فلکی خواہ وہ شمس وقمر ہوں یا مریخ ومشتری سب آسمانِ دنیا کے نیچے قنادیل کی طرح معلق ہیں اور فضا میں ایک دوسرے سے سینکڑوں، ہزاروں، کروڑوں اور اربوں میلوں کے فاصلے پہ منتشر ہیں۔ قرآن حکیم میں بھی یہی بتایا گیا ہے ولقد زیّنّا السماء الدنیا بمصابیح اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے دنیا کے قریب والے آسمان کو چراغوں سے زینت دی۔ چنانچہ رات کے وقت ستاروں کی جگمگاہٹ سے عجیب رونق وشان کا نظارہ ہوتا ہے۔ دراصل یہ قدرتی چراغ ہیں جن سے دنیا کے بے شمار منافع وابستہ

ہیں ۔جو سیارے زمین کے نزدیک ہیں وہ بڑے نظر آتے ہیں جو دور ہیں وہ چھوٹے نظر آتے ہیں ۔ اور بعض اتنے دور ہیں کہ سرے سے نظر ہی نہیں آتے ۔

چاند تک پہنچ جانا ، یا مریخ ومشتری کے قریب ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آسمان کو پھاند لیا گیا ۔ ہنوز دلی دوراست ، خود چاند پر پہنچنے والوں کا بیان ہے کہ ہم نے چاند سے آسمان کو دوربین سے دیکھنے کی کوشش کی تو فضا ہی فضا نظر آئی ۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر سائنسدان ثوابت تک پہنچ جائیں تو ممکن ہے مگر آسمان کو نہیں پھاند سکتے

ہمارا عقیدہ ہے کہ فلکیات کا اپنا نظام ہے ۔ شب معراج میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ ملاحظہ کرایا گیا آسمانوں کے باقاعدہ دروازے ہیں ۔ جن پر سنتری کھڑے ہوتے ہیں اور پہرہ دیتے ہیں ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شب معراج میں باقاعدہ طور دروازے کھلوائے جاتے تھے ۔ حضورؐ کی معراج سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ممکن ہے کہ ایک انسان وجود عنصری کے ساتھ آسمانوں میں پہنچ جائے مگر عادت اللہ یہ ہے کہ آسمانوں کے دروازے مقفل ہیں ۔ ان پر جو تالے لگے ہوئے ہیں وہ بغیر اجازت کے کھولے نہیں جاتے ۔ آسمان تک پہنچنا یہ کوئی کمال بھی نہیں یہ تو شیطان کے لئے بھی ممکن ہے بلکہ وہ یوں کرتا بھی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ طلوع اور غروب کے وقت شیطان اپنے دونوں سینگوں کو پھیلا کر سورج کے سامنے کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ سورج میرے سینگوں سے گذر رہا ہے ۔

آسمان کے وجود سے انکار ارشاد فرمایا ۔ اور یہ جو بعض لوگ آج آسمانوں کے وجود کا انکار کرتے ہیں اس کی وجہ بھی جہالت ہے ۔ ہر وہ چیز جس کا علم انسان کو نہ ہو انسان اس سے انکار کر بیٹھتا ہے ۔ ہم آسمان کے مشاہدے کا دعویٰ نہیں کرتے ۔ لیکن احادیث اور قطعی نصوص سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کا وجود ہے اور باقاعدہ اس کے دروازے بھی ہیں ۔ اللہ کی مخلوق کی سینکڑوں اقسام ہیں جو ہمارے مشاہدے میں نہیں آئیں ۔ تو اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ان کا وجود بھی نہیں ہے ۔ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ نے لکھا ہے :۔

کہ ساتوں آسمان اور زمین اور عرش وکرسی یہ سب اسی ایک قندیل کا عالم ہیں جو شاید ایک ہزار ایک سو کی تعداد میں عرش الٰہی کے نیچے موجود ہیں ۔ وما یعلم جنود ربک الا ھو ۔

کہا جاتا ہے کہ آسمان کا وجود نظر نہیں آتا ۔ لہٰذا وہ موجود بھی نہیں ہے ۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں اپنی روح نظر آتی ہے کیا تمہیں روح کی حقیقت معلوم ہے کہ مجرد ہے مادہ ہے ہیولیٰ ہے ۔ متصل ہے یا منفک ہے تو کیا تمہارے عدم علم کا یہ معنی ہے کہ روح موجود نہیں ہے ۔

افتاء میں احتیاط ۲ ۔ اپریل ۸۵ء ۔ ایک صاحب نے کوئی مسئلہ استفتاء کی شکل میں دریافت کیا ، تو ارشاد فرمایا ۔ مفتی صاحب سے پوچھ لو ۔ ہمارے دارالعلوم میں افتاء کے لئے کئی حضرات افتاء کا کام کرتے ہیں میں تو ضعیف ہو

(بقیہ صد ۲۳ پر)

مولانا مدرار اللہ مدرار ۔ مردان

قسط ۴

پرویز

منکرِ حدیث ہے

یا

منکرِ قرآن

تنقیدی جائزہ

سنۃ اللہ کے مفہوم میں تبدیلی | پرویز اس سلسلے میں سنۃ اللہ کا نام بھی لیتا ہے۔ اور قرآن مجید کی ان آیتوں سے استدلال کرتا ہے جن میں سنۃ اللہ کی عدم تبدیل کا ذکر ہے۔ ان سے وہ یہ مطلب لیتا ہے کہ جن قوانین پر کائنات چل رہی ہے وہ غیر متبدل ہیں۔ اور اس کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ (کتاب التقدیر صہ ۳۴)

لیکن سنۃ اللہ سے یہ مفہوم لینا قرآن کی معنوی تحریف ہے۔ جس کا پرویز مجرم ہے۔ قرآن مجید میں سنت الٰہی کا ایک خاص مفہوم ہے اور اسی اصطلاحِ خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ خیر و شر۔ حق و باطل۔ نور و ظلمت اور ظلم و انصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر۔ حق کو باطل پر۔ نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح و کامیابی عطا کرتا ہے۔ ظالم اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند و موعظت ان کے لئے مؤثر نہیں ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے۔ اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک، آسمان کی گرج، زلزلے کی تھرتھراہٹ۔ آندھی کی گھڑگھڑاہٹ، دریا کے طوفان۔ پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک اور برباد ہوجاتی ہیں۔ یہی سنّت اللہ ہے۔ جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی۔ اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا۔ قرآن میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے۔ اسی مفہوم میں آیا ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر دو آیتیں ذیل میں لکھی جارہی ہیں۔ تاکہ قارئین کو کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔

قریش داعیٔ حق کو شہرِ مکہ سے نکالنے کی تیاری کرتے ہیں۔ اور اس دعوت کو قبول کرنے سے علانیہ انکار کر دیتے ہیں تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۸)

اور وہ کفار قریش، تو چاہتے تھے کہ گھبرا دیں تجھ کو تاکہ وہ تجھے یہاں سے نکال دیں۔ لیکن اگر ایسا ہو تو وہ میرے بعد کم ٹھہریں گے۔ یہ دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا جن کو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا۔ اور تو اللہ کے دستور کو ٹلنے نہ پائے گا۔ (بنی اسرائیل)

مدینہ کے منافقین اپنی شرارت سے باز نہیں آتے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

۲۔ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

وہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے۔ جان سے دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے، اور تو اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پائے گا۔"

ان آیتوں کو پڑھ لینے کے بعد "سنّت اللہ" کے مفہوم کے سمجھنے میں کس کو غلطی ہو سکتی ہے۔ بجز پرویز کی قسم کے لوگوں کو جو بظاہر داعی قرآن بن کر اپنے باطل نظریات و عقائد کی تائید کی خاطر قرآنی آیات کے مفاہیم اور معانی میں کھلّم کھلا تحریف کرنے کے در پے ہیں۔

اسباب وعلل اور عارف رومیؒ | علم کلام میں متکلمین اسلام نے اسمار و صفات اور صفت قدرت پر دقیق بحث کی ہے لیکن ہم یہاں عارف رومی رحمت اللہ علیہ کی مثنوی سے چند اشعار بطور استشنا دپیش کرتے ہیں وہی عارف رومی جنہیں علامہ اقبال پیر رومی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور انہیں اپنا روحانی مرشد تسلیم کرتے ہیں۔ ان اشعار میں اسباب وعلل و قدرت پر حکیمانہ بحث کی گئی ہے۔

مولانا رومی اسباب وعلل اور قدرت کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

اے گرفتارِ سبب بیروں مپر ۔۔۔۔ لیک عزل آں مسبّب ظن مبر

اے وہ جو اسباب وعلل کی زنجیر میں گرفتار ہے حد سے زیادہ نہ اڑ۔ اور یہ خیال نہ کر ان اسباب وعلل کے بنا دینے سے وہ علّت العلل اور مسبب الاسباب بیکار ہو گیا۔

ہر چہ خواہد او مسبّب آورد ۔۔۔۔ قدرتِ مطلق سببہا بر درد

وہ حقیقی مسبب الاسباب جو چاہے کرے۔ اور اس کی قدرت علی الاطلاق اسباب کو توڑ دے۔

لیکن اغلب بر سبب راند نفاد ۔۔۔۔ تا بداند طالبے جستن مراد

لیکن بیشتر وہ اسباب ہی کے مطابق دنیا کو چلاتا ہے تاکہ کام کرنے والوں کو اپنے حصول مقصد کا راستہ معلوم ہو۔

ایں سببہا بر نظرہا پردہ است ۔۔۔۔ کہ نہ ہر دیدار صُنعش را سزاست

یہ ظاہری اسباب نگاہوں کے پردے ہیں کیونکہ ہر آنکھ اس کی صنعت کو نہیں دیکھ سکتی۔

از مسبب می رسد ہر خیر و شر ۔۔۔۔ نیست اسباب و وسائط را اثر

درحقیقت ہر نیک و بد اسی اصلی مسبّب الاسباب کے یہاں سے پہنچتا ہے اور اس میں ان درمیانی اسباب و وسائط کو دخل نہیں۔

انبیاء در قطع اسباب آمدند   معجزات خویش بر کیواں زدند

انبیاء علیہم السلام قطع اسباب کے درپے ہیں۔ اور اپنے معجزات کا جھنڈا انہوں نے مریخ میں گاڑ دیا ہے

جملہ قرآں ہست در قطع سبب   عز درویش و ہلاک بولہب

تمام قرآن قطع اسباب کے بیان سے بھرا ہے۔ آنحضرتؐ کا غلبہ اور ابولہب کی بربادی اسی طرح ہوئی۔

مرغ بابیلے دو سہ سنگ افگند   لشکر زفت حبش را بشکند

پرندے کنکریاں پھینکتے ہیں۔ اور حبش کے سیاہ لشکر کو شکست دیتے ہیں۔

ہم چنیں ز آغاز قرآں تا تمام   رفض اسباب است وعلت والسلام

اسی طرح اول سے لے کر آخر تک قرآن کی بیشتر آیتیں اسباب وعلل کے بے اثر ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔

عارف رومی کی ان توضیحات کے پیش نظر اسباب وعلل اس وقت اپنا اثر چھوڑ دیتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور امر ان کی طرف متوجہ ہوتا ہو۔ اگر قطع اسباب کی یہی صورت پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ اور معجزہ خرق عادت اور قاعدۂ علت ومعلولیت کی استثنائی شکست کا نام ہے۔ یہ درحقیقت ایسے طفل مزاج دوستوں پر اتمام حجت اور انکار وتکذیب کی راہ سے ان کو بچانے کے لئے ہے۔ جو بچوں کی طرح مٹھائی (عقل) کا نام لئے بغیر اعلیٰ حقیقت کی طرف ملتفت ہی نہیں ہوتے۔ لیکن جو شخص جدید فلاسفر ہیوم اور ہیگل کی طرح قادر مطلق کی قدرت اور غیب ہی کا منکر ہو یا جس کے قلب کو ابوجہل و ابولہب کی طرح باطل کی تاریکی نے سیاہ کر رکھا ہو اور اس کی ساری ذہنی صلاحیتیں تحریف قرآن کے لئے صرف ہو رہی ہوں اس کے سامنے قرآنی آیات اور معجزات پیش کرنے سے زیادہ سے زیادہ یہ جواب مل سکتا ہے کہ میں تو تجربیت اور طبیعات پر ایمان رکھتا ہوں اور اس چیز کو رد کرتا ہوں جس کی زد طبیعات اور سائنس پر پڑتی ہو۔

پرویز ہیوم اور ہیگل کے ملحدانہ فلسفے کا دل وجان سے پیروکار ہے اور اسی بنا پر اس نے قرآن مجید کی آیتوں کے اصلی مفہوم ومعنی کو تبدیل کرتے ہوئے فلسفۂ جدید کے قالب میں ڈھالنے کی ناکام اور مذموم کوشش کی ہے۔

قرآن کا جائزہ لینے کی ضرورت (۲۹) قرآن کریم کی صحیح تعلیم اس صورت میں سامنے آسکتی ہے کہ ہم خالی الذہن ہو کر اس میں غور وفکر کریں۔ ہم سفر زندگی میں ذہنی تصورات اور معتقدات کا اس قدر سامان لئے چلتے ہیں کہ خود اسی کا بوجھ ہمیں آگے بڑھنے نہیں دیتا۔ ضرورت ہوتی ہے کہ ہم کبھی کبھی رک کر اس سامان کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ اس میں کون کون سی چیزیں غیر ضروری ہیں تاکہ انہیں الگ کر دیا جائے۔ اگر یہ جائزہ قرآن شریف میں لیا جاتے۔ تو آپ دیکھیں گے کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ بوجھ بہت ہلکا ہو جائے گا (ابلیس و آدم ص ۱۵)

اس عبارت میں ہم نے دیکھ لیا کہ پرویز کس جرأت اور جسارت کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن شریف کا

کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو بہت تھوڑے عرصے میں ہمارے معتقدات کا وہ بوجھ بہت ہلکا ہو جائے گا جو ہم قرآن کی رو سے اب تک اٹھاتے چلے آ رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنی کتابوں بالخصوص "مفہوم القرآن" میں قرآن کا جائزہ لیا ہے۔ اور قرآن مجید کے بیان کردہ بے شمار حقائق میں اپنی خواہشات کے مطابق قطع و برید کر کے "مفہوم القرآن" کے نام سے ایک متوازی قرآن پیش کیا ہے اور یہ ایک بہت بڑی جسارت ہے جس کا ارتکاب اس نے کیا ہے۔ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

غیر قرآنی اسلام کا فریب (۳۰) انہوں (یہود و نصاریٰ) نے ایسی چال چلی کہ مسلمانوں کو قرآن سے یکسر بیگانہ بنا کر غیر قرآنی اسلام کے فریب میں الجھا دیا۔ اور یہ کچھ اس کامیاب طریق سے کیا کہ سادہ لوح مسلم اس سراب رنگ و بو کو سچ مچ کا گلستان سمجھنے لگ گیا۔ (طلوع اسلام اپریل ۸۲، صہ ۶۵)

اس عبارت کا مطلب بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ پرویز ہم مسلمانوں کے اسلام پر طنز کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مسلمانوں کا اسلام غیر قرآنی اسلام کا فریب ہے۔ اور ساری دنیا کے مسلمان سادہ لوح یعنی احمق ہیں۔ جو اس فریب میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اور یہ کہ ہمارا اسلام ایک سراب سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا جس کو ہم سادہ لوحی سے سچ مچ کا گلستان سمجھنے لگ گئے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ پرویز کی سرمستیوں، جسارتوں اور بیباکیوں کی انتہا ہے۔ کہ وہ ساری امتِ مسلمہ کے اسلام کو رد کرتے ہوئے اسے فریب اور سراب کہہ رہا ہے۔ اور مسلمانوں کو سادہ لوح اور احمق قرار دے رہا ہے لیکن اسے اپنے گریبان میں دیکھنا چاہئے کہ خود اس کی حقیقت کیا ہے۔ ؎

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

اطاعت خدا و رسول کا مطلب افسرانِ ماتحت کی اطاعت ہے (۳۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ الخ (نساء ۵۹)

تم اس نظام کی پوری پوری اطاعت کرو جسے قوانین خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے رسول نے قائم کیا ہے۔ اور اس نظام کے مرکز مقرر کردہ نمائندگانِ حکومت، افسرانِ ماتحت کی بھی اطاعت کرو۔ پھر اگر ایسا ہو کہ تم میں اور افسرانِ ماتحت میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اس کے لئے مرکز کی طرف رجوع کرو۔ یعنی افسرانِ ماتحت کے فیصلوں کے خلاف مرکزی اتھارٹی سے اپیل کرو۔ جو اس معاملہ کا قوانین خداوندی کے مطابق فیصلہ کرے گی۔ مرکزی اتھارٹی کے فیصلے کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہو سکتی۔ اس کا فیصلہ آخری ہو گا۔ (مفہوم القرآن صہ ۱۹۷)

اس مضمون پر مشتمل ایک اور عبارت ملاحظہ ہو۔

(۴۲) جن احکام کی جزئیات تک قرآن نے متعین کر دی ہیں۔ ان میں اس مرکز کو بھی ردّوبدل کا اختیار نہیں ہوتا لیکن جو احکام قرآن میں اصولی طور پر بیان ہوئے ہیں اس سے مقصد ہی یہ ہے کہ ان کی جزئیات میں اپنے اپنے زمانے کے مطابق ردّوبدل ہو سکتا ہے۔ احکام کی تنفیذ اور جزئیات کی تشکیل میں مرکز ملت اپنی جماعت سے مشورہ لیتا ہے (معراج انسانیت صد ۳۴۵)

اور" مقام حدیث" جلد اول صد ۵۵ پر لکھتا ہے۔

۴۳۔ قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم آیا ہے۔ اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے۔ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم امت میں موجود تھے ان کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت تھی اور آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی۔ اور اطاعت عربی میں کہتے ہیں زندہ کی فرماں برداری کو۔"

ان تینوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ پرویز اللہ اور رسول کی اطاعت کا قائل نہیں وہ کہتا ہے کہ اطاعت خدا و رسول سے مرکزی حکومت کے نمائندے، افسران ماتحت اور امام وقت یعنی مرکز ملت مراد ہے۔ اور بدرجۂ غایت یہ بھی کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب تک زندہ تھے ان کی اطاعت خدا و رسول کی اطاعت تھی اور فوت ہو جانے کے بعد ان کی اطاعت ختم ہوگئی اور اب مرکزی حکومت کے نمائندوں اور ماتحت افسروں کی اطاعت خدا و رسول کی اطاعت ہے۔ لیکن یہ پرویز کا قرآن پر افترا ہے۔ قرآن کی رو سے صرف دو اطاعتیں فرض ہیں۔ ایک اللہ کی اور دوسری رسول کی۔ اور یہ حقیقت اُولی الامر والی آیت سے ثابت ہے۔ جس میں اَطِیْعُوا کا لفظ اللہ اور رسول کے لئے آیا ہے۔ اور اولی الامر کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت پر معطوف ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے۔ مستقل نہیں۔ اولی الامر کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت کے ماتحت ہے یعنی جب تک امام وقت اللہ و رسول کے احکام کی ماتحتی کرے۔ اس وقت تک اطاعت ہے اور اگر وہ کتاب و سنت سے ہٹ کر کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت نہیں ہے۔ اس صورت میں امام وقت سے لوگوں کا تنازعہ ہو سکتا ہے۔ اس تنازعہ کو مٹانے کے لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ۔ " اس کو اللہ و رسول کی طرف لے جاؤ"

یعنی خدا اور رسول سے فیصلہ کراؤ۔ قرآن کی مذکورہ آیت سے ثابت ہوا کہ خدا اور رسول کے ساتھ اطاعت میں تنازعہ اور جھگڑا نہیں ہو سکتا۔ اور امام وقت کے ساتھ اس کی اطاعت کے سلسلے میں جھگڑا ہو سکتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کی مانند نہ ہوئی۔ بلکہ اللہ و رسول کی اطاعت کی ماتحتی کے ساتھ مشروط ہوئی۔ پھر امام وقت کے ساتھ تنازعہ پڑ جانے کی صورت میں اس کو خدا و رسول کی

طرف لوٹانے سے ثابت ہوا کہ خدا اور اس کے رسول کی بات حجّت فی الدین ہے اور امام وقت یا افسرانِ ماتحت کی بات حجت فی الدین نہیں ہے۔ اگرچہ پرویز کو سنّت اور حدیثِ رسول سے ابوجہل و ابولہب کی طرح چِڑ ہے لیکن مسلمانوں کے لئے قرآن وسنّت کا فیصلہ بہرحال واجب الاطاعت ہے۔ جس سے نہ امام وقت مستثنیٰ ہے اور نہ افسرانِ ماتحت۔

اور پرویز کی یہ بات بھی لغو اور باطل ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آپؐ کی زندگی تک محدود تھی"

حالاں کہ آپؐ کی نبوت و رسالت قیامت تک باقی ہے۔ اس حقیقت پر قرآن خود گواہ ہے چنانچہ فرمایا

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

اے پیغمبر! آپ کہہ دیں۔ کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اور ایک دوسری آیت میں حضور اکرمؐ کو

سِرَاجًا مُّنِيْرًا ط

کہا گیا ہے یعنی روشن چراغ اور یہی سراج (چراغ) کا لفظ سورج کے لئے استعمال ہوا ہے۔ فرمایا

وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ط

اور اللہ نے سورج کو چراغ بنایا ہے۔

تو جس طرح سورج کی ضیاپاشیاں قیامت تک کائنات کو منوّر کرتی رہیں گی۔ اسی طرح آفتابِ رسالت کی ضیاپاشیاں بھی قیامت تک جلوہ گر ہوتی رہیں گی۔ آپ کی تعلیمات و ہدایات قیامت تک مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ اور رحمۃ اللعالمین کی حیثیت سے آپؐ کی رحمتیں اور برکتیں ہمیشہ دنیائے انسانیت کے شاملِ حال رہیں گی۔

اس ضمن میں سورۃ جمعہ کی آیتِ ذیل بھی ملاحظہ ہو۔

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔

ترجمہ۔ "اللہ وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے اٹھایا جو اس کی آئتیں ان کو سناتا ہے اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی۔ اور اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ اور اٹھایا اُس نے اس رسول کو ایک دوسرے لوگوں کے واسطے بھی انہی میں سے جو ابھی انہیں میں نہیں ملے۔"

اس آیت نے بتا دیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تعلیم وتزکیہ اور ہدایت آپؐ کی مخاطب قوم تک اور آپؐ کی زندگی تک محدود نہ تھی۔ بلکہ آپ کی تعلیم و ہدایت کا سلسلہ بعد میں قیامت تک آنے والی قوموں کے لئے بھی ہے اور قیامت تک جو جو قومیں اسلام اور مسلمانوں میں شامل اور لاحق ہوتی چلی جائیں گی۔ ان کے لئے آپؐ کی تعلیم و تزکیہ اور ہدایت وتربیت بالکل اسی طرح مشعلِ راہ ہے جس طرح آپؐ کی حیاتِ مبارکہ میں مشعلِ راہ تھی۔ اور آپؐ کے احکام و ہدایات کی اطاعت قیامت تک مسلمان ہونے والی قوموں پر بالکل اسی طرح واجب ہے جس طرح آپ کی مبارک زندگی میں واجب تھی۔

اور سورہ یٰس کی ایک آیت بھی اس حقیقت پر دلالت کر رہی ہے۔ فرمایا:۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ط اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ
لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۔

ترجمہ۔ اور ہم نے اس کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ یہ اس کے لائق ہے یہ تو خالص نصیحت ہے اور صاف قرآن ہے تاکہ ڈر سنائے اس کو جس میں جان ہو۔ اور منکروں پر الزام ثابت ہو۔"

اس آیت نے بتا دیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور انذار ان لوگوں کے لئے مفید ہے جو حقیقی حیات سے بہرہ مند ہوں۔ اور جن میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبشیر اور انذار ان لوگوں کے لئے ہے جو زندہ ہیں۔ اور جو زندہ ہوتے ہوئے بھی مردوں کے شمار و قطار میں ہیں۔ وہ اس ہدایتِ ابدی اور سعادتِ سرمدی سے مستفید نہیں ہو سکتے۔

چوں کہ پرویز میں اپنی کج روی اور کج فہمی کی بنا پر حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا اثر قبول کرنے کی ذرا بھی صلاحیت نہیں ہے اس لئے وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات میں موشگافیاں کرتا ہے اور آپ کی اطاعت سے فرار و گریز کی نفسانی اور شیطانی راہیں تلاش کرنے میں تندہی سے مصروف ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ نبوت سے محروم ہے۔

اور پرویز کی یہ بات کہ

" جو احکام قرآن میں اصولی طور پر بیان ہوئے ہیں اس سے مقصد ہی یہ ہے کہ ان جزئیات میں اپنے اپنے زمانے کے مطابق ردّ و بدل ہو سکتا ہے اور مرکزِ ملت اپنی جماعت کے مشورہ سے ان جزئیات کی تشکیل کر سکتا ہے۔"

شریعتِ حقّہ کو باطل کرنے کے مترادف ہے۔ قرآن نے نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج وغیرہ احکام کی جزئیات متعین نہیں کی ہیں۔ یہ کام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تبیین اور وحی سے سرانجام

فرما دیا ہے۔ اور قیامت تک ان جزئیات میں کوئی مرکزِ ملت، امام وقت اور جماعت ردّو بدل نہیں کرسکتی۔ قرآن کی رو سے تمام اہلِ اسلام کا یہی متفقہ مسلک ہے۔ لیکن پرویز کی یہ کتنی دیدہ دلیری اور گستاخی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتب کردہ جزئی احکام کی تغلیط کرتا ہے۔ اور ان کی تکذیب پر مصر ہے۔ یہ ایک بڑا فتنہ اور رخنہ ہے جو اس نے دینِ نبی میں پیدا کیا ہے ع

رخنہ در دینِ نبی انداختند

ختم نبوّت سے انکار

۳۴۔ اب سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اب انسانوں کو اپنے حالات کے فیصلے آپ کرنے ہوں گے۔ صرف یہ دیکھنا ہوگا۔ کہ ان کا کوئی فیصلہ ان غیر متبدّل اصولوں کے خلاف نہ جائے۔ جو وحی نے عطا کئے ہیں۔ اور جو اب قرآن کی دفتین میں محفوظ ہیں (سلیم کے نام ج ۲ ص ۱۲۰)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ پرویز ان معنوں میں ختم نبوت نہیں مانتا۔ جو اہل اسلام مانتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکار بھی پرویز کی طرح ختم نبوت مانتے ہیں۔ لیکن اس سے جو معنی مراد لیتے ہیں وہ اہلِ اسلام کے برعکس ہیں۔ اور اسی بنا پر اہلِ اسلام نے بالاتفاق اور بالاجماع مرزا غلام احمد اور اس کے جملہ متبعین قادیانیوں اور لاہوریوں کو اپنے معاشرے سے خارج کر دیا ہے۔ اور دائرۂ اسلام سے نکال باہر کیا ہے۔

ختم نبوت کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو ہر لحاظ سے مکمل کر دیا ہے۔ اور اس کے اصول و کلیات کی روشنی میں رسول اللہ علیہ وسلم نے تمام جزئیات کی تشکیل فرما دی ہے۔ اس لئے قیامت تک اسلام کے کلیات و جزئیات میں کوئی حکّ و اضافہ اور ترمیم و تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ اور جو شخص اس کے خلاف دعوت دے وہ بالاتفاق امتِ مسلمہ خارج از اسلام ہے۔ پرویز کے دعویٰ باطل کے برعکس مسلمان اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے میں قطعاً آزاد نہیں ہیں بلکہ وہ قرآن و سنّت کے پابند ہیں۔

ختم نبوت سے انکار کے متعلق پرویز کا ایک اور اندراج ملاحظہ ہو۔

ختم نبوّت اور حریتِ فکر و عمل

۳۵۔ ختم نبوت کا اعلان خود زبانِ نبوت سے ہوا ہے۔ یہ اعلان ہے اس حقیقت کا کہ اب انسان سنِ شعور کو پہنچ گیا ہے اور اسے صرف اتنی راہ نمائی کی ضرورت ہے کہ ہر دوراہے پر معلوم ہو جائے کہ یہ راستہ کس طرف جاتا ہے اور وہ راستہ کس سمت کو۔ تم نے غور کیا سلیم کہ رسالتِ محمدیہ نے اس باب میں کس قدر حریتِ فکر و عمل اور خود اعتمادی اور خود فیصلگی عطا کی ہے۔

(سلیم کے نام۔ ج ۲۔ ص ۱۴۰)

اس اندراج سے پرویز کا تصورِ ختم نبوت اور بھی بے نقاب ہوگیا ہے۔ اس کی ساری قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ مسلمانوں کی گردنوں سے "ربقۂ اسلام" اتار کر پھینک دیا جائے۔ اور مسلمانوں کو قرآن و سنّت

سے یکسر بیگانہ کیا جائے اور انہیں اسلامی معاملات میں ایسی آزادی دی جائے جو مادر پدر آزاد قسم کی ہو۔ امر واقعہ یہ ہے کہ پرویز نے ختم نبوت پر روز روشن میں ڈاکہ ڈالا ہے۔ اس نے سلیم کے نام جو خطوط لکھے ہیں ان میں اس نے گوناگوں حربوں سے کام لے کر مسلمانوں کے اساسی عقائد توحید و رسالت اور ختم نبوت کو داغدار اور مسخ کر دیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مقدس ہے کہ

"لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ"

یعنی تم میں سے مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی ہوائے نفسانی ان جملہ احکام کی تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں۔

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہ پرویز کا رسالت محمدیہ کے ساتھ صریحاً مذاق نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:۔

"رسالت محمدیہ نے اس باب میں حریت فکر اور خود اعتمادی اور خود فیصلگی عطا کی ہے"

یہ یقیناً مذاق ہے۔ اسلامی معاملات میں کسی کو فکر و عمل کی آزادی اور خود فیصلگی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اور جو اس دعوے کا علمبردار ہے وہ مذکورہ حدیث نبوی کا مصداق ہے اور وہ ایمان بالرسول کی نعمت اور دولت سے محروم ہے۔

پرویز نے ختم نبوت کا جو مفہوم بیان کیا ہے اس کی مزید وضاحت و تاکید کے لئے اس کی ایک اور عبارت پیش کی جاتی ہے۔

نبوت کا دروازہ بند کرنے کا مقصد | ۳۶۔ نبوت کا دروازہ بند کرنے سے مقصد ہی یہ تھا کہ ذہن انسانی کی کھڑکیاں کھول دی جائیں۔ (سلیم کے نام ج ۲ ص ۲۱۴)

اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ پرویز ختم نبوت کے اس عقیدے سے علی الاعلان منکر ہے۔ جو عہد نبوی سے لے کر اب تک تمام مسلمانوں کا متفقہ اور اساسی عقیدہ چلا آرہا ہے۔ اور اس سلسلے میں وہ مرزا غلام احمد قادیانی سے بھی سبقت لے گیا ہے۔

اب پرویز کا ان عبارتوں کا نمونہ دیکھئے جن میں اس نے خود مرکز ملت کا منصب سنبھالتے ہوئے قرآن حکیم کے اصولی احکام کی جزئیات میں رد و بدل کیا ہے اور امت مسلمہ کے متفقہ مسلک کو مسترد کر دیا ہے۔ بلکہ خود قرآن کے اصولی احکام کی ایسی من گھڑت تعبیرات کی ہیں جن سے ان کا حلیہ ہی بدل گیا ہے۔ نماز کے متعلق اس کا ایک اندراج ملاحظہ کیجئے۔

نماز صراط مستقیم پر چلنے کا نام ہے | ۳۷۔ الصلوٰۃ صراط مستقیم پر چلنے کا نام ہے وہ صراط مستقیم جس کے متعلق فرمایا۔ اِنَّ رَبِّی عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ میرے نشوونما دینے والے کا قانون ربوبیت خود

متوازن راہ پر چل رہا ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے تم بھی چلو۔ مُصلّیٰ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو گھوڑ دوڑ میں پہلے نمبر کے بالکل پیچھے ہو۔ جو اوہر اوہر کی راہوں میں نکل جائے وہ مُصلّیٰ نہیں۔ اس لئے سورۃ قیامت میں نظام اسلام سے منہ موڑنے والے کے متعلق فرمایا۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی کہ وہ تصدیق نہیں کرتا اور نہ ہی صلوٰۃ کا پابند ہے بلکہ تکذیب کرتا ہے۔ اور گریز کی راہیں اختیار کرتا ہے۔ دیکھو سلیم! یہاں تصدیق کے مقابلے میں تکذیب ہے۔ اور صلّیٰ کے مقابلے میں تولّیٰ یعنی گریز کی راہیں نکالنا۔ اس لئے مصلی وہ ہو گا جو متوازن راہ (صراط مستقیم) پر اپنے نشوونما دینے کے قانون ربوبیت کے عین مطابق چلتا جائے اور ادھر ادھر دیکھے تک نہیں۔ سجدہ سے مراد ہی قانونِ خداوندی کی اطاعت ہے یعنی سجدہ ہر غیر خداوندی قانون کی اطاعت سے انکار اور قانونِ خداوندی کی اطاعت کا مظہر ہے۔ اس طرح سورۃ مرسلات میں مجرمین اور مکذبین کے متعلق کہا گیا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ۔ کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو یہ رکوع نہیں کرتے۔ یعنی قانونِ خداوندی کی تکذیب اور اس سے سرکشی رکوع سے مانع ہوتی ہے۔ لہٰذا رکوع کے معنی قانونِ خداوندی کی عملی تصدیق اور اس کے سامنے جھک جانا ہے (سلیم کے نام ص ۲۰۹/۲۱۰)

ہم نے پرویز کی طویل عبارت بلا کم و کاست اس لئے نقل کی کہ اس کو شکایت کا موقع نہ رہے۔ اور قارئین کو اسے سمجھنے میں آسانی ہو۔

مذکورہ عبارت میں اس نے صاف صاف کہا ہے کہ:-

۱- الصلوٰۃ صراطِ مستقیم پر چلنے کا نام ہے۔

۲- نشوونما دینے والے کے قانونِ ربوبیت کے پیچھے چلنے والا نمازی ہے۔

۳- گھوڑ دوڑ کے پہلے نمبر پر رہنے والے کے پیچھے والا نمازی ہے۔

۴- سجدہ سے مراد قانونِ خداوندی کی اطاعت ہے۔

۵- رکوع سے مراد قانونِ خداوندی کے سامنے جھک جانا ہے۔

نماز پنج وقتہ فرضِ عین ہے اور اس کی ہیئت اور کیفیت وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اور آپ کی معمول رہی ہے اور امت مسلمہ چودہ سو سال سے اس نماز کو پڑھتی چلی آرہی ہے۔ لیکن پرویز کو اس سے انکار ہے۔ اس کے نزدیک قانونِ ربوبیت کے پیچھے چلنا ہی نماز ہے۔ اور سجدہ و رکوع سے قانون خداوندی کی اطاعت اور اس کے سامنے جھک جانا ہے۔ غرض اس نے اپنی ہفوات کے ذریعے نماز کا تصور ہی بدل دیا ہے اور اسی طرح اس نے اسلام کے ایک بنیادی ستون کو گرا کر ساری اسلامی عمارت کو تہ و بالا کر دیا ہے۔

پرویز قرآن و سنت کی بتائی ہوئی نماز سے نہ صرف انکار کر رہا ہے بلکہ اس کی تغلیط اور تکذیب پر مصر ہے۔

نماز کے متعلق پرویز کی ایک دوسری عبارت پیش کی جاتی ہے۔ جس میں وہ یہ بتاتا ہے کہ اقامت صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ مساکین کو کھانا کھلایا جائے۔ پوری عبارت یہ ہے :-

۳۸۔ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ۔ کہا ان کے ساتھ شامل نہ ہوئے جنہوں نے نظام صلوٰۃ قائم کیا تھا۔ نظام صلوٰۃ کیا ہے اس کے متعلق میں بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ لیکن قرآن نے اس تمام تفصیل کو سمٹا کر ایک فقرہ میں رکھ دیا ہے۔ یعنی وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ۔ ہم مساکین کے رزق کا انتظام نہیں کیا کرتے تھے۔ (سلیم کے نام [۲۷])

اس میں شک نہیں کہ مساکین کو کھانا کھلانا اور ان کی معاشی ضرورتوں کا انتظام کرنا مسلمانوں کا اہم فریضہ ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نظام صلوٰۃ اور نظام معاش ایک ہی چیز ہے۔ یہ دونوں علیحدہ اور الگ الگ حقیقتیں ہیں جن میں سے ایک کو ماننا اور دوسری کا انکار کرنا سب سے بڑا الحاد و زندقہ ہے جس میں پرویز گرفتار ہے۔ دراصل قرآن مجید نے نظام صلوٰۃ کے ساتھ نظام زکوٰۃ قائم کرنے پر زور دیا ہے جو طبقاتی کشمکش کا بہترین حل ہے

پرویز نے جس طرح مسلمانوں کو فریضہ نماز کی ادائیگی سے بری الذمہ کرنے کے لئے مساکین کو کھانا کھلانے کا نسخہ بتایا ہے اسی طرح اس نے روزے کے بارے میں بھی یہی نسخہ بتایا ہے کہ روزہ رکھنے میں تکلیف ہو تو اس کا فدیہ یعنی مسکین کو کھانا کھلایا جائے یہ حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔

نصاب زکوٰۃ میں کمی بیشی کا اختیار | ۳۹۔ قرآن نے زکوٰۃ کا حکم دے کر اس کی شرح و قیود کو غیر متعین چھوڑ دیا ہے تاکہ ہر زمانے کی اسلامی حکومت اپنی اپنی ضروریات کے مطابق اسے خود متعین کرتی رہے۔ قرون اولیٰ میں اگر خلافت راشدہ نے اپنے زمانے کی ضرورت کے مطابق اڑھائی فیصد مناسب سمجھا تھا اس وقت بھی شرعی شرح تھی۔ اگر آج کوئی اسلامی حکومت کہے کہ اس کی ضروریات کا تقاضا بیس فیصدی ہے تو یہی بیس فیصد شرعی شرح قرار پائے گی (سلیم کے نام ۸۲/۸۳)

پرویز نے "اقیموا الصلوٰۃ" کی طرح "آتوا الزکوٰۃ" کا مفہوم بھی بدل دیا ہے اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ کے شرعی مقادیر کو کوئی مرکز ملت اور اسلامی حکومت بدلنے کی مجاز نہیں ہے۔ یہ شریعت میں اضافہ ہوگا جس کی کبھی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح فرمان ہے۔

"من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو ردٌ"

کہ جس نے ہمارے دین میں ایک نئی بات کا اضافہ کیا تو اس کی وہ بات مردود ہے۔

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ جو کوئی بھی مقادیر شرعی کمی بیشی کی بات کرے وہ مردود ہے۔

مذکورہ عبارت میں یہ بات بھی لکھی گئی ہے کہ ہر زمانے کی حکومت اپنی اپنی ضروریات کے مطابق زکوٰۃ کی شرح متعین کرنے کی مجاز ہے۔ جب کہ زکوٰۃ حکومت اپنی ضروریات پر شرعاً خرچ نہیں کر سکتی۔ قرآن مجید نے خود زکوٰۃ کے آٹھ مصارف متعین کئے ہیں۔ جن کے علاوہ زکوٰۃ حکومت کی کسی بھی دوسری مد میں خرچ نہیں ہو سکتی۔ یہ ضروریات والی بات بھی احداث فی الدین ہے۔ اور قرآن کے مقرر کردہ "مصارف ثمانیہ" پر اضافہ ہے۔ جو مردود اور قابل مواخذہ ہے۔

پرویز نے جس طرح نماز، زکوٰۃ اور روزے کے قرآنی مفاہیم میں من مانی تحریفات اور تلبیسات کی ہیں اسی طرح وہ قربانی کے قرآنی مفہوم کو بھی نہیں مانتا۔ بلکہ اس کو ایک رسم اور ضیاع مال قرار دیتا ہے اور اس کی شدت سے مخالفت کرتا ہے۔ اس مقصد کے لئے دو اندراجات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

قربانی رسم ہے | ۴۰۔ اسی طرح حاجیوں کی وہ قربانیاں جو وہ آج کل کرتے ہیں محض ایک رسم کی تکمیل ہے۔ (قرآنی فیصلے)

قربانی ضیاع مال ہے | ۴۱۔ ذرا حساب لگائیے کہ اس رسم قربانی کو پورا کرنے کے لئے اس غریب قوم کا کس قدر روپیہ ہر سال ضائع ہو رہا ہے۔ (قرآنی فیصلے)

لیکن قرآن سے ثابت ہے کہ قربانی تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں میں شرعاً مروج رہی ہے۔ فرمایا

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ (پ ۱۷ ع ۱۲)

ترجمہ۔ اور ہم نے ہر امت کے واسطے قربانی کرنا مقرر کیا تھا تاکہ وہ اللہ کا نام یاد کریں۔ بعض ان چارپایوں پر جو ہم نے ان کو دیئے ہیں"

اور حج میں بھی قربانی کرنا قرآن سے ثابت ہے۔ فرمایا۔

وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ (پ ع ۸)

ترجمہ۔ اور لوگوں میں حج کے لئے پکار دو کہ لوگ تمہاری طرف (دوڑے چلے) آئیں گے (حج کے لئے) پیادہ بھی اور دُبلی اونٹنیوں پر بھی آئیں گے ہر راہِ دُور سے۔ تاکہ اپنے (دین و دنیا کے) فائدوں کے لئے آموجود ہوں اور اللہ کا نام لیں ایام مقررہ میں ان چارپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں۔ پس کھاؤ ان میں سے تم بھی

ور کھلاؤ مصیبت زدہ محتاج کو۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حج میں قربانی کے ایام میں حاجیوں پر قربانی واجب ہے لیکن پرویز کہتا ہے کہ

" حاجیوں کی وہ قربانیاں جو وہ آج کل کرتے ہیں محض ایک رسم کی تکمیل ہے۔"

اور عام مسلمانوں پر بھی عید الاضحیٰ کی قربانی واجب ہے۔ جب کہ وہ صاحب نصاب ہوں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

ما عمل ابن آدم من عمل یوم النحر احبّ الی اللّٰہ من اھراقِ الدّم وانہ لیاتی یوم القیامۃ بقرونہا واشعارہا واظلافہا وان الدم لیقع من اللّٰہ بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبّوا بہا نفسًا (ترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ:۔ کوئی عمل بقر عید کے دن خدا تعالیٰ کو خون بہانے سے زیادہ عزیز نہیں۔ اور وہ قربانی قیامت کے ن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں سمیت آئے گی۔ اور بے شک قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ی جناب الٰہی میں مقبول ہو جاتا ہے پس خوش کرو اس قربانی کے ساتھ اپنے دلوں کو۔"

لیکن پرویز جو منکرِ قرآن و حدیث ہے کہتا ہے کہ قربانی ضیاعِ مال ہے۔ اگر اس کا ضیاعِ مال کا فلسفہ ن لیا جائے۔ تو پھر صرف قربانی ہی نہیں بلکہ حج اور دوسرے احکام اسلام سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے زندان اسلام ہر سال حج ادا کرنے پر کروڑوں بلکہ اربوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اور عظیم معاشی نقصانات کے تحمل ہوتے ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی بھی بظاہر معاشی نقصان ہے۔ اور روزے کے لئے اہتمام و تیاری بھی روزہ داروں کو زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اور پنجوقتہ نمازوں پر بھی بہت سارا وقت خرچ ہوتا ہے جب کہ قت ہر انسان کا قیمتی سرمایہ ہے۔ اور موجودہ ایٹمی اور صنعتی دور میں اس کی قیمت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

لیکن ہم منکرِ حدیث و قرآن پرویز کو بتانا چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ اس کی ملحدانہ ہفوات اور کمیونزم پر ی معاشی تصورات کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتی اور انہیں سختی کے ساتھ رد کرتی ہے۔

پرویز کے نزدیک خدا کا تصور

۴۳۔ خدا کے تصور کا ایک مفہوم وہ ہے جسے خدا نے خود متعین کیا ہے اور جو سلیم! قرآن کے حروف و نقوش میں جگمگ جگمگ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس صور کی رو سے ان مقامات پر، خدا سے مفہوم ہے۔ وہ نظام جو اس کے متعین فرمودہ ابدی قوانین کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ (سلیم کے نام ص ۲۲۶)

اس عبارت میں پرویز نے خدا کا جو مفہوم بتایا ہے وہ یہ ہے کہ خدا اس نظام کو کہتے ہیں جو اس کے ابدی وانین کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ جب یہ نظام قائم ہو جائے گا اس وقت خدا موجود ہوگا۔ جب ایسا نظام نہیں

تو خدا کا وجود بھی نہیں ۔ العیاذ باللہ۔

یہ ہے پرویز کی قرآنی تحقیق اور ریسرچ جس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ یہ تحقیق اور ریسرچ نہیں بلکہ حماقت و جہالت ہے اور دہریت والحاد ہے جس کا مرتکب ہے ۔

اسلامی نظام صداقت پر مبنی نہیں

۴۳۔ اسلامی نظام چند دنوں کے لئے قائم ہوا۔ اس کے بعد ختم ہو گیا۔ اگر یہ نظام صداقت پر مبنی تھا اور اس میں آگے بڑھنے کی صلاحیت تھی تو یہ ہمیشہ کے لئے کیوں قائم نہ رہا۔ اور آج تک کہیں بھی قائم نہیں ہوا۔ (قرآنی فیصلے)

اس قسم کی خرافات پر مشتمل ایک اور عبارت ملاحظہ ہو۔

تیرہ سو سال پہلے کا دورِ وحشت

۴۴۔ آپ (علماء) اپنی قوم کے دامن کو پکڑ کر آج سے تیرہ سو سال پہلے کے دورِ وحشت کی طرف گھسیٹ رہے ہیں ۔ (قرآنی فیصلے)

ان عبارتوں میں پرویز نے کسی خوف و خطر کے بغیر برملا کہا ہے کہ اسلامی نظام صداقت پر مبنی نہیں اور نہ اس میں آگے بڑھنے کی صلاحیت ہے۔ ورنہ یہ ہمیشہ کے لئے قائم رہتا۔ پھر اس کی دیدہ دلیری اور دریدہ دہنی دیکھئے کہ وہ ڈنکے کی چوٹ کہتا ہے کہ " تیرہ سو سال پہلے کا دورِ وحشت کا دور تھا " لغت میں وحشت کے معنی ہیں " حیوانیت جنون، جہالت۔ آوارگی "

تو معلوم ہوا کہ پرویز اسلام کے دورِ اول یعنی عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کو دورِ وحشت کہتا ہے۔ اور یہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی شانِ اقدس میں ایسی دریدہ دہنی اور گستاخی ہے جو موجبِ ارتداد ہے ۔

امتِ مسلمہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ سب زمانوں سے بہتر زمانہ جناب سید الکونین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی تھا جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا۔ رحمتِ دو عالم اپنے عمل سے اس نور کو پھیلا رہے تھے۔ آپؐ کے ہدایت یافتہ صحابہؓ اسوۂ پاک کی مشعلیں اٹھائے دنیائے انسانیت سے جبر و استبداد، ظلم و ستم اور وحشت و جہالت کی تاریکیاں مٹا رہے تھے۔ بدی مٹ رہی تھی اور نیکی بڑھ رہی تھی۔ صدیوں سے کفر و شرک۔ بے حیائی۔ بدکاری۔ چوری۔ راہ زنی۔ خیانت۔ جھوٹ۔ فریب اور شراب خوری جو لوگوں کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھی — رحمۃ اللعالمین کے دورِ مبارک میں سب کا استیصال ہو گیا۔

حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے زمانے کو خیر القرون فرمایا ہے۔ اور زمانۂ صحابہ، تابعین و تبع تابعین کو بھی اس لقب کا مستحق قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا :-

" خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم یلونھم "

میری امت کا بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر ان لوگوں کا زمانہ جو ان کے قریب اور متصل ہے پھر ان

لوگوں کا زمانہ ہے جو ان کے قریب ہے۔

یہ ہے تیرہ سو سال پہلے کا وہ دورِ ہمایوں و مبارک جس کو ملحدِ اعظم دورِ وحشت کہہ رہا ہے۔ اور علمائے اسلام کو طعنہ دے رہا ہے کہ

"آپ اپنی قوم کے دامن کو پکڑ کر آج سے تیرہ سو سال پہلے کے دورِ وحشت کی طرف گھسیٹ رہے ہیں"

یہ کیا اندھیر ہے اے دشمنِ مہر و وفا مجھ سے
ہوس نے کام جاں پایا محبت شرمسار آئی

دراصل پرویز اپنے خاص مشن کے مطابق مسلمانوں بالخصوص تہذیبِ حاضر کے پرستاروں کو قرآنِ مقدس، اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے خاکم بدہن برگشتہ کر رہا ہے اور اپنی ساری قوتیں قانونِ ربوبیت کے پردے میں کمیونزم اور اشتراکیت کو قرآن مجید کے عین مطابق ثابت کرنے کی مذموم کوششوں میں مصروف ہے جس پر ہم انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ فرصت میں مفصل بحث کریں گے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

چکا ہوں۔ فتویٰ تو حد درجہ احتیاط اور ذمہ داری کا کام ہے۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب دارالعلوم دیوبند کے شیخ الادب بھی تھے اور شیخ الفقہ بھی۔ پھر تدریس وغیرہ سے انہیں فارغ کر کے صدر مفتی بنا دیا گیا۔ موصوف کی مجھ پر بے پناہ شفقت تھی۔ طلبہ ان کے احترام اور جلال کی وجہ سے سامنے نہ آسکتے تھے بات کرنے کی تو کسی کو جرأت ہی نہ تھی۔ میں ان کی شفقتوں اور خصوصی مہربانیوں سے جری ہو گیا تھا۔ جب نمازِ مغرب کے بعد آپ اپنے کمرے میں تشریف لے گئے تو میں حاضرِ خدمت ہوا اور صدر مفتی بننے پر مبارکباد پیش کی۔ اور عرض کیا حضرت! بہت خوب ہوا آپ تدریس وغیرہ کی فکر سے بے غم ہو گئے ہیں۔ افتاء مل گئی ہے اب آرام سے مطالعہ و تحریر میں وقت گذرے گا۔

مولانا اعزاز علی صاحب نے فرمایا:-

افتاء تو ایک بارِ گراں ہے علم ایک دریا ناپید کنار ہے۔ ہزاروں لاکھوں مسائل ہیں روزانہ سینکڑوں نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں حالات اور زمانہ کی رفتار پر مفتی کے لئے نظر رکھنا ضروری ہے جب کہ تدریس آسان کام ہے کولھو کے بیل کی طرح آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایک ہی دائرے میں گھومنا پڑتا ہے۔ شام تک مسلسل چلنے سے سینکڑوں میل کا فاصلہ بنتا ہے مگر جب آنکھیں کھول دی جاتی ہیں تو پھر وہی جگہ ہوتی ہے جہاں سے سفر شروع کیا تھا۔ مدرس تو ہر سال وہی پڑھاتا ہے جو پچھلے سال پڑھایا تھا جب کہ فتویٰ بے حد مشکل کام ہے اس کے لامتناہی مسائل فروعات اور جزئیات ہیں۔ بس اب دعا فرماتے رہتے کہ اللہ پاک اس کی اہلیت عطا فرمادے۔

گل احمد ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

دعوات عبدیت حق

ضبط و ترتیب ادارۂ الحق
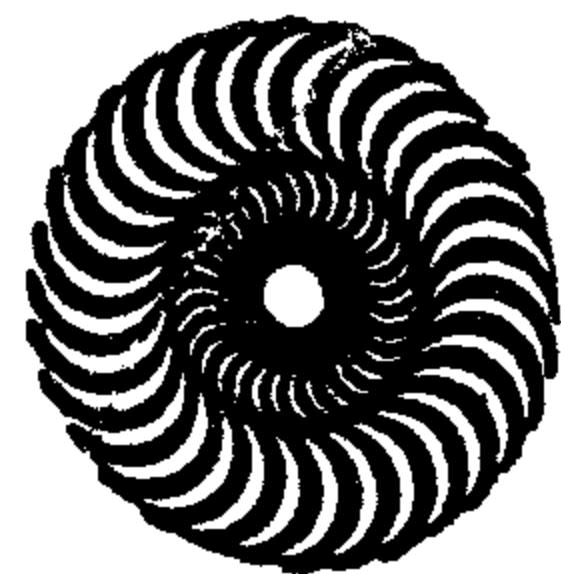
ارشادات شیخ الحدیث مدظلہ

مولانا حافظ محمد ایوب صاحب فاضل و مدرس دار العلوم حقانیہ اور ان کے رفقاء کے شدید اصرار پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے مدرسہ "ریاض العلوم" مانکی ضلع مردان کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی۔ سنگ بنیاد رکھا اور مختصر خطاب بھی فرمایا۔ جسے احقر نے اسی وقت محفوظ کر لیا۔ ذیل میں وہی افادات پیش خدمت ہیں (رع ق ح)

خطبہ مسنونہ کے بعد۔

محترم بزرگو اور دوستو! تقریر کی اہلیت مجھ میں نہیں، ضعف اور کمزوری ہے، بہر تقدیر، آپ حضرات کا شکر گذار ہوں کہ مجھ ناچیز کو اس مبارک اجتماع اور بابرکت افتتاح میں شرکت کا حصہ دیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:۔

لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتھم الملٰئکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ [1]

جب بھی اور جہاں بھی بیٹھ کے کچھ بندگان خدا اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو لازمی طور پر فرشتے ہر طرف سے ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمتِ الٰہی ان پر چھا جاتی ہے اور ان کو اپنے سایہ میں لے لیتی ہے۔ اور ان پر سکینہ کی کیفیت نازل ہوتی ہے۔ اور اللہ اپنے ملائکہ مقربین میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔

خدا کے دین کی اشاعت کی غرض سے یہ اجتماع بلایا گیا ہے۔ یہاں ایک دینی ادارہ قائم کیا جائے گا جس قوم کے بچے قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دینی وعلمی ضروریات سیکھیں گے۔ خدا تعالیٰ اس ادارہ کی تکمیل میں آپ سب کا حامی ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان دینی مدارس کی کیا منفعت ہے۔ آج دنیا کی ریل پیل ہے۔ بعض لوگ کارخانے قائم کر کے دنیوی منفعت حاصل کرتے ہیں۔ بعض سرمایہ اور دولت اکٹھا کرنے کے لئے ناجائز قدم اٹھانے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ مگر آپ لوگ، یہ فضلاء دار العلوم حقانیہ اور علماء حضرات (یہاں جمع ہیں اور ادارہ کی بنیاد رکھ رہے ہیں اور آپ جیسے مخلصین اور معاونین جو یہاں جمع ہوئے ہیں مقصد

---

[1] مسلم

قرآن پڑھنا، پڑھانا اور اس کی اشاعت کرنا ہے۔ یہ درحقیقت جنت کے لئے ٹکٹ اور ویزا حاصل کرنا ہے۔
آپ یہاں سے سعودی عرب کو جاتے ہیں تو پاسپورٹ اور ویزا حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ دنیا رہ جانی ہے سب نے یہاں سے جانا ہے کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام یہاں سب جانے والے یہ تمنا رکھتے ہیں کہ خدا ان کو جنت دے اور جنت میں ان کا داخلہ آسان ہو۔
تو بھائیو! جب یہ تمنا رکھتے ہو تو ابھی سے پاسپورٹ اور ویزا بنواؤ۔ اور جنت کے دروازے پر اللہ کے سپاہی (ملائکہ) چیکنگ کرتے ہیں جس کے پاس قرآن سے تعلق، قرآن کی خدمت، قرآن کی تعلیم واشاعت کا پاسپورٹ ہوگا اس کو جنت کا داخلہ مل جائے گا۔ پھر جنت میں مختلف درجات ہیں سب سے اعلیٰ اور بلند درجے کا نمبر ۶۶۶۶ ہے یہ اس خوش نصیب کو ملے گا جس کو سارا قرآن ۶۶۶۶ آیات یاد ہوں۔ اس پر عمل کیا ہو۔ اس کے تقاضے پورے کئے ہوں۔ اشاعت وتعلیم میں حتی المقدور سرگرم رہا ہو پھر درجات اس سے کم ہوتے جاتے ہیں جس نے جتنا عمل کیا ہے اور قرآن کی آیات کو اپنایا ہے اسی نسبت سے اس نمبر کا اس کو مقام دیا جائے گا۔
بعض ایسے بھی ہوں گے جنہیں قرآن سے کوئی شغف نہیں رہا۔ تو انہیں روک دیا جائے گا۔ ہم جیسوں کو تو بسم اللہ بھی صحیح پڑھنا نہیں آتی۔ اللہ سے درخواست ہے کہ اپنے خصوصی فضل سے چشم پوشی فرماویں تو فرماویں ورنہ قانوناً تو روک دئے جانے کے قابل ہیں۔
دنیا کا کاروبار کرنا ممنوع نہیں، بنگلہ بنانا ممنوع نہیں، موٹروں پر سواری کرنا اور جہاز میں اڑنا ممنوع نہیں۔ مگر یاد رکھئے یہ ساری چیزیں اگرچہ عارضی طور پر نافع ہیں مگر پائیدار اور وفادار نہیں۔ یہ مدرسہ اور اس سے تعلق اور اس کی خدمت یہ وفادار بھی ہے اور پائیدار بھی۔
محترم بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ ان دینی مدارس کے کیا فائدے ہیں۔ ہندوستان پر انگریز کا تسلط تھا بلکہ تمام کفر مسلمانوں کو نگل جانے کے لئے ایک قوت بن چکا تھا الکفر ملۃ واحدہ۔ اس وقت دیندار مسلمانوں نے اور علماء کرام نے غیر ملکی تسلط سے ہندوستان کو آزاد کرانے کی تحریک چلائی سینکڑوں مسلمان شہید ہوئے امرتسر سے دلی تک علماء کو درخت کے ساتھ لٹکا کر پھانسی دی گئی۔
اس وقت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے رفقاء جمع ہوئے مشورہ کیا کہ مسلمانوں کے مستقبل کی حفاظت کی جائے۔ اور ان کے دینی مذہبی اور سیاسی اقدار کا تحفظ کیا جائے۔ مغربی سامراج اور انگریزی تسلط سے جان چھڑانے کے لئے چھتہ کی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے ایک مدرسہ کا افتتاح ہوا۔ ایک استاد پڑھانے والا اور ایک شاگرد پڑھنے والا۔
بظاہر یہ کوئی مسلح جنگ نہیں تھی اور نہ کوئی تنظیم تھی لیکن درحقیقت یہ انگریزوں کے خلاف ان کے

نجات حاصل کرنے اور ان کے توپ و تفنگ کے مقابلہ کرنے کا پیش خیمہ تھا۔ آپ کو یہ سن کر حیرت نہیں ہونی چاہیئے
آج افغانستان کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ روس جو قوت اور فوجی طاقت کے لحاظ سے پوری دنیا کو
تباہ کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر چند مٹھی بھر مجاہدین (جن میں دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء اور طلباء
کی ایک بہت بڑی تعداد قائدانہ کردار ادا کر رہی ہے) جو کم عَدَد بھی ہیں اور کم عُدَد بھی۔ پانچ سال سے روسی
انیاب الاغوال کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور آج روس پریشان ہو گیا ہے اور انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں
جب روس بوریا بستر سمیٹنے پر مجبور ہو جائے گا۔

آج آپ کو جو قریہ قریہ اور بستی بستی علماء اور دینی مدارس کا جال پھیلا نظر آتا ہے اور اس جنگل میں جو آپ کا یہ
جم غفیر جمع ہے اور آپ ہزاروں روپیوں کی صورت میں چندہ دے رہے ہیں اور یہ سلسلہ دن بدن بڑھتا جا
رہا ہے، اسلام پھیلتا جا رہا ہے دینی جذبہ ابھر ابھر کر سامنے آ رہا ہے۔ انگریز اور مغربی تہذیب کی یلغار دین
اسلام کو نہ دبا سکی۔ یہ سب ان دینی مدارس کی برکات ہیں۔ جس نے مدرسہ میں چڑیا کے گھونسلے برابر بھی چندہ
دیا اس نے جنت میں اپنا گھر بنا لیا۔

اور اب جو پاکستان میں اسلام کا نعرہ بلند ہوتا ہے یہ بھی ان دینی مدارس کی برکات ہیں۔ دینی مدارس
اسلام کے قلعے ہیں۔ جن کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔ انگریز نے اسلام کو ختم کرنا چاہا مگر زمانہ گزرتا ہے
اسلام کی اشاعت ہوتی ہے۔ اگر دین باقی رہے گا تو پاکستان بھی باقی رہے گا۔ اگر خدانخواستہ دینی تعلیم
فراموش کر دی گئیں تو نہ ملک باقی رہے گا اور نہ ملک والے۔ اور اگر ہم دین کی خدمت کریں گے تو اللہ پاک
ہماری نصرت فرمائے گا۔
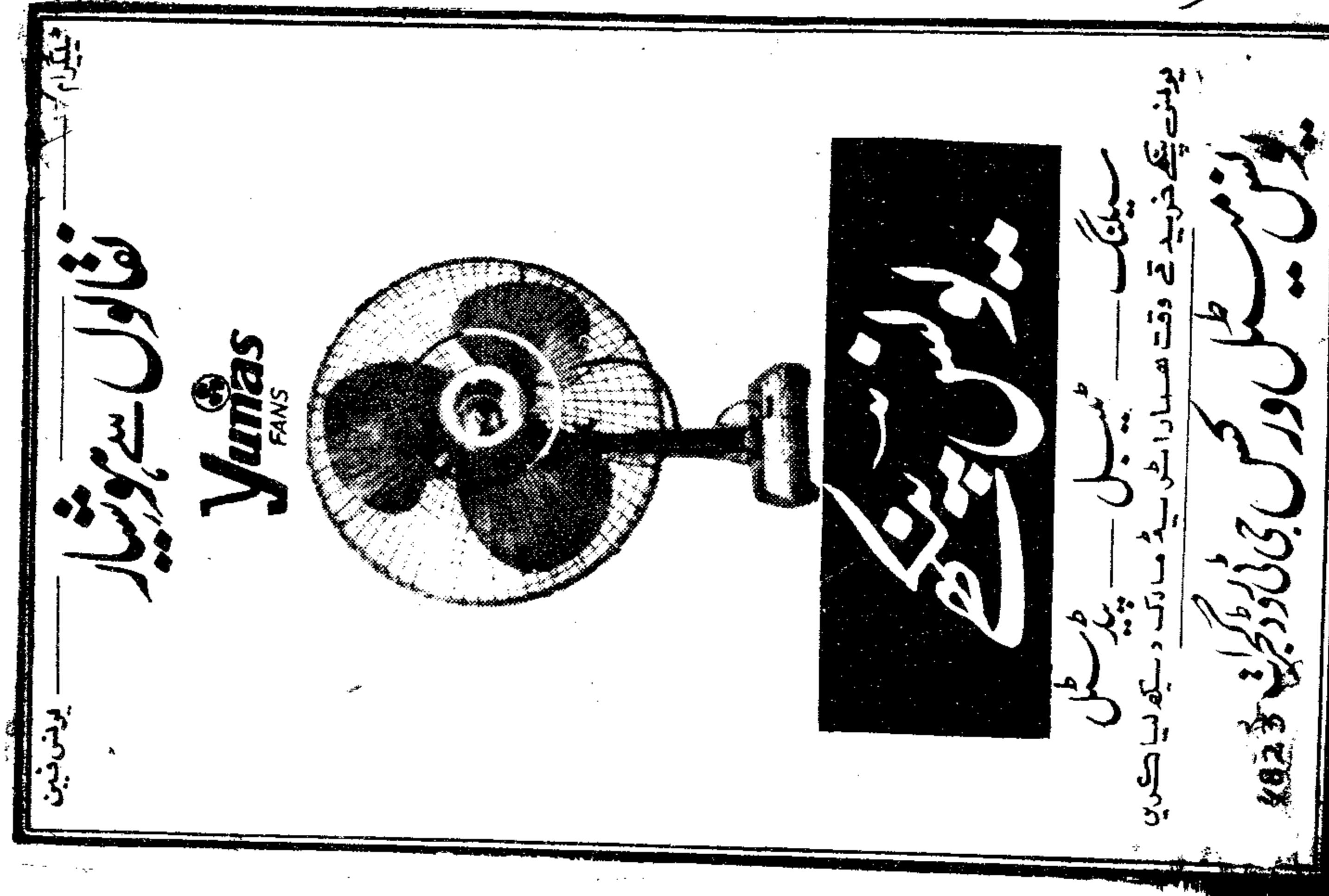
نیلام عام

دفتر جناب ایجنسی ایڈمنسٹریٹر صاحب افغان مہاجرین جنوبی وزیرستان وانہ میں بتاریخ ۸-۵-۱۹۸۵ بمقام تحصیل وانہ بوقت ۱۰ بجے دن مندرجہ ذیل اشیاء بذریعہ نیلام فروخت کئے جائیں گے۔

اشیاء	تعداد	
۱۔ خالی بوریاں بڑی سائز گندم والی	۱۷۶۰۰	عدد بوریاں
۲۔ خالی بوریاں چھوٹی سائز گندم والی	۵۸۳۶	"
۳۔ خالی بوریاں بڑی سائز چینی کپڑے والی	۸۱	"
۴۔ خالی بوریاں چھوٹی سائز چینی	۸۲۰	"
۵۔ خالی ڈرم بڑی سائز گھی والے کینیڈا	۲۴۹	عدد ڈرم
۶۔ خالی ڈرم بڑی سائز گھی والے۔		
۷۔ خالی پیٹی چائے۔	۱۷۸	عدد

سب سے زیادہ بولی دینے والے کو ترجیح دی جاوے گی جو حسب ذیل شرائط کا پابند ہوگا۔

۱۔ سب سے زیادہ بولی دینے والے کو زر چہارم حصہ موقعہ پر ادا کرنا ہوگا۔

۲۔ بولی دینے والے مذکور تب تک مال نہیں اٹھائے گا جب تک کمشنر صاحب افغان مہاجرین منظوری نہ دے دیں۔

۳۔ بعد از منظوری کمشنر صاحب افغان مہاجرین خریدار کو بقایا تین چوتھائی زر نیلام اندر ایک ہفتہ یکمشت داخل کرنی ہوگی۔ بصورت دیگر اس کی داخل کردہ ایک چوتھائی رقم بحق محکمہ ضبط کی جاوے گی۔ اور اس کے کسی بھی عذر اور اعتراض کو کوئی قانونی جواز حاصل نہ ہوگا۔

دستخط

ایکٹنگ ایجنسی ایڈمنسٹریٹر

افغان مہاجرین، ایس ڈبلیو اے

وانا

PID (P) 451

ریٹائرڈ میجر۔ امیر افضل خان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فتوحات

اور

آپ کی خلافت کے زمانے کی چند جھلکیاں

حضرت عثمانؓ کے زمانے کے آخری دو سالوں میں جو فتنہ و فساد اٹھا اس کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کی خلافت کی فتوحات، کامیابیاں اور اسلام کے زرّیں زمانے کی کئی باتیں ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگئی ہیں بدقسمتی سے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے کی بہت کم تحقیق کی گئی اور ہم خواہ مخواہ کئی غلط فہمیوں کا شکار ہوگئے۔ کچھ لوگوں نے ناجائز طور پر آپ پر یہ الزام لگایا کہ آپ کے زمانہ میں فتوحات بند ہوگئیں۔ کسی نے قرابت داری کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ کسی نے یہاں تک کہہ دیا کہ کمزور تھے یا سختی نہ کرتے تھے وغیرہ۔ دراصل یہ تمام باتیں غلط ہیں۔ حضور پاکؐ کے تمام عظیم رفقاء سورہ فتح کے آخری رکوع کے مطابق اشد الکفار اور رُحما بینھم تھے۔ اور حضرت عثمانؓ نے ان دونوں خاصیتوں کا خوب تر مظاہرہ کیا۔ پوری تحقیق کرنے کے لئے تو ایک کتاب کی ضرورت ہے ہم یہاں پر اختصار سے چند پہلوؤں کا اجمالی خاکہ پیش کر رہے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جتنی جنگیں ہوئیں اور ان میں فتح ہی فتح نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ ایسے واقعات اتنی تعداد میں دنیا کے کسی حکمران کے زمانے میں نہیں ملتے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آٹھ صحابہ کرام تو سپہ سالارِ اعظم رہے۔ جن کے ماتحت متعدد سپہ سالار تھے۔ یا لشکروں کے امیر تھے۔

مندرجہ ذیل سپہ سالارِ اعظم تھے جنہیں آج کل کے زمانے میں سپریم کمانڈر کہا جاتا ہے۔

جناب مغیرہ بن شعبہؓ۔ جناب ابوموسیٰ اشعریؓ۔ جناب ولید بن عقبہؓ۔ جناب سعید بن العاصؓ۔ جناب عبداللہ بن عامرؓ۔ جناب عمرو بن عاصؓ۔ جناب معاویہ بن ابوسفیان اور جناب عبداللہ بن ابی سرحؓ تھے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جنگوں اور مہمات کے لئے جتنے سفر کئے گئے دنیا کے کسی حاکم کے زمانے میں ان سفروں کی مسافت اتنی نہیں بنتی جتنی اکیلے محمود غزنوی جنگی سفروں میں دنیا میں اول نمبر پر آتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر امیر تیمور ہے۔ چنگیز خان اور نپولین تیسرے نمبر پر آتے ہیں۔ اور سکندر یونانی چوتھے نمبر پر۔ لیکن اگر کسی حاکم کے تمام لشکروں کے سفروں کا حساب کیا جائے تو اوسط یا زمانے کے لحاظ سے جناب صدیق اکبرؓ پہلے نمبر پر آتے

ہیں کہ تقریباً سوا دو سال کے عرصہ میں ان کے لشکروں کے جنگی سفر تقریباً پچیس ہزار میل بنتے ہیں۔ لیکن اگر کسی حاکم کی حکومت کے زمانے میں تمام لشکروں کے جنگی سفروں کو شمار کیا جائے تو اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ اول نمبر پر آتے ہیں کہ آپ کے زمانے میں آپ کے لشکروں نے تقریباً پچاس ہزار میل کے سفر طے کئے۔

ان سفروں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ مصر اور افریقہ کے محاذ پر یہ جنگی سفر تقریباً دس سے بارہ ہزار میل بنتے ہیں۔ شام اور اناطولیہ کے محاذ پر سفروں کی مسافت کوئی تین ہزار میل کے قریب ہے۔ کوفہ کے محاذ پر کئی دفعہ جنگی سفر ہوئے اور آذربائیجان یا شام کے محاذ کے ساتھ رابطہ قائم کرنا پڑا۔ تو یہ سفر کوئی پندرہ ہزار میل کے قریب بنتے ہیں لیکن سب سے زیادہ سفر بصرہ کے محاذ پر ہوئے۔ ایک طرف یہ جنگی سفر فارس اور خوزستان سے آگے کلدان اور دریائے سندھ تک تھے۔ تو دوسری طرف خراسان، کابل، زابلستان اور دریائے جیحون تک جنگی سفر کئے گئے بلکہ آپ کے زمانے میں آپ کے لشکری مجاشع بن مسعودؓ۔ بنوں کے نزدیک رزمک اور میران شاہ تک آئے اور سارے بصرہ کے محاذ پر تمام لشکروں کے جنگی سفر تقریباً بیس ہزار میل بنتے ہیں۔

ایک اور چیز جس کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ عظیم صحابہ کرام کے بیٹے جناب عبداللہ بن عمرؓ یا عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ وغیرہ تو پہلے دو خلفائے راشدین کے زمانے سے جنگوں میں شرکت کر رہے تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بھی جنگوں میں شرکت کی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ایک اور ثبوت ملتا ہے کہ صحابہ کرام کے بیٹے جیسے ہی جوان ہوتے تھے وہ جہاد میں شامل ہو جاتے تھے چنانچہ امام حسنؓ۔ امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیر جیسے نوجوان صحابہ ابن صحابہ نے ایک طرف افریقہ کے محاذ پر جہاد میں شرکت کی اور دوسری طرف بصرہ اور کوفہ کے محاذ پر بھی شرکت کی۔

چنانچہ پچھلے دنوں میران شاہ کے نزدیک ایک کتبہ ملا جو بنو عباس کے زمانے میں اس علاقے کے ایک برمکی گورنر نے لگایا تھا۔ اس پر یہ الفاظ درج تھے کہ اسلام سے پہلے اس علاقے میں جو کافر حکمران تھا اس کے خلاف مسلمانوں کے جس لشکر نے کارروائی کی اس میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ دونوں نواسے رسولؐ بھی شریک تھے۔ ظاہر ہے کہ لشکر ان علاقوں میں حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آیا جس کے سالار عبداللہ بن عامرؓ۔ احنف بن قیسؓ اور مجاشع بن مسعودؓ وغیرہ نوجوان صحابی تھے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جتنی جنگیں ہوئیں اتنی شاید ہی کسی اور حاکم کے زمانے میں ہوئی ہوں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ سب جنگوں میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ سب سے پہلے ہم مصر اور افریقہ کے محاذ کو لیتے ہیں۔ کہ وہاں پر منویل خصی سمندری فوج کی وجہ سے سکندریہ پر دوبارہ قابض تو ضرور ہو گیا۔ لیکن جب وہاں سے آگے عمرو بن عاصؓ نے نہ صرف رومی لشکر کو شکست فاش دی بلکہ کچھ دنوں کے بعد رومیوں کو سمندر میں پھینک دیا۔ اس کے بعد

عمرو بن عاصؓ موجودہ لیبیا میں برقہ کے مقام تک اور عقبہ بن نافعؓ نے سوڈان کے کئی مقام فتح کئے۔ ان مہمات کے خاتمہ کے بعد عبداللہ بن ابی سرح نے کئی مہینے سفر کر کے موجودہ تیونس کو فتح کیا۔ اور یہ فاصلہ مدینہ شریف سے کوئی تین ہزار میل کے قریب بنتا ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ طرابلس تک کے علاقے پہلے عمرو بن عاصؓ نے فتح کئے اور عبداللہ کو یہ علاقے دوبارہ فتح کرنے پڑے۔

یہاں پر ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے۔ کہ ان فتوحات میں عبداللہ بن ابی سرح باقی امرائیں عبداللہ بن عمرؓ بن عاصؓ۔ امام حسنؓ۔ امام حسینؓ۔ عبداللہ بن نافعؓ بن الحصین اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس شامل تھے۔ اور ان سب میں عبداللہ بن ابی سرح کو چھوڑ کر کوئی بھی حضرت عثمانؓ کا قریبی رشتہ دار نہ تھا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ پر یہ الزام غلط طور پر لگایا جاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو امیر مقرر کرتے تھے۔ ہم ہر محاذ سے نام لکھ کر یہ ثابت کریں گے کہ امراء میں بہت کم لوگ حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ دار تھے۔

شام کے محاذ پر امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ایک طرف قبرص کو فتح کیا تو دوسری طرف انطاکیہ اور آذربائیجان اور آرمینیہ کے کافی علاقوں کو فتح کیا۔ اور حضرت عثمانؓ کی ہی خلافت میں اہل روم کے ساتھ دو بحری جنگیں ہوئیں۔ جن میں سے ایک جنگ مصر کے ساحل کے نزدیک ہوئی۔ اور دوسری اناطولیہ کے ساحل کے نزدیک اور رفناکس اور قبرص کے درمیانی سمندر میں۔ دونوں جنگوں میں رومیوں کو شکست ہوئی۔ اور بے شک حضرت عثمانؓ کے زمانے میں حضرت معاویہؓ اور حضرت عبداللہ بن سرح اسلام کے پہلے امیر البحر کہلانے کے حق دار ہیں۔

ویسے تو قریش میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار لاتعداد تھے اور اگر آپ کے سب رشتہ داروں کا ذکر کیا جائے تو ایک مضمون کی ضرورت ہے کہ یہ تعداد سینکڑوں میں تھی۔ بے شک آپ داماد رسولؐ ہونے کی وجہ سے حضور پاکؐ کے تمام رشتہ داروں کے رشتہ دار بن گئے تھے۔ لیکن آپ کی نانی بھی حضور پاکؐ کی سگی پھوپھی تھیں اور اس لحاظ سے حضور پاکؐ کے تمام خاندان کے آپ نسبی رشتہ دار تھے۔ پھر بنو امیہؓ یا بنو عبدالشمس کی تعداد بھی کافی تھی۔ اور آپ کے دادا یا پردادا کی اولاد بھی سینکڑوں میں تھی۔

امیر معاویہؓ کے والد ابو سفیانؓ اور حضرت عثمانؓ کے والد عفان کے چچا کے بیٹے تھے۔ اور ایسی رشتہ داری جناب عثمانؓ کی کئی لوگوں کے ساتھ تھی۔ اس لئے یہ کہنا کہ امیر معاویہؓ کو رشتہ داری کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے گورنر بنایا سراسر غلط ہے۔ ویسے بھی امیر معاویہؓ کو تو حضرت عمرؓ نے شام کا گورنر بنایا تھا اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں شام کے باقی امراء یعنی حضرت عبدالرحمن بن خالدؓ۔ حضرت حبیب بن مسلمؓ حضرت عبداللہ بن قیس۔ حضرت سفیان بن عوف ازدیؓ حضرت عبادہ بن صامتؓ حضرت مقداد بن عمرؓ

حضرت شداد بن اوس رضؓ، حضرت علقمہ بن حکیم رضؓ اور حضرت ابوالدعور السلمیؓ وغیرہ میں سے کوئی بھی حضرت عثمان رضؓ کا قریبی رشتہ دار نہ تھا۔

کوفہ کے محاذ پر فتوحات کا کوئی حساب نہیں۔ اول تو شمالی علاقوں یعنی جھیل کیسپین کے علاقوں میں بغاوت ہوئی اور اسے فرو کرنا پڑا۔ پھر کوفہ کے گورنر جناب ولید بن عقبہ جہاد میں مشغول ہو گئے۔ اور نہ صرف آذربائیجان کے وسیع علاقے فتح کئے بلکہ ان کے ایک امیر حضرت سلمان بن ربیعہ رضؓ نے آرمینیہ کے کئی علاقے فتح کئے اور شام کی فوجوں کی مدد کی۔ بعد میں جب کوفہ کے گورنری حضرت سعید بن العاص کو ملی تو آپ نے جرجان اور خراسان کے کئی علاقے فتح کئے۔ اور بصرہ کے عامل حضرت عبداللہ بن عامر کے بائیں بازو کی حفاظت کا کام بھی کیا۔ بے شک جناب ولید بن عقبہ رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے اخیافی بھائی تھے اور سعید بن العاص بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن ان علاقوں کے چھوٹے عاملوں میں سے کوئی بھی حضرت عثمان رضؓ کا رشتہ دار نہ تھا۔ اس کی تفصیل کچھ اس قسم کی ہے

آذربائیجان میں رشعث بن قیسؓ۔ اصفہان میں سائب بن اقرع۔ رحاہ میں مالد بن صبیب یربوعی۔ موصل میں حکیم بن سلامہ رضؓ۔ قرقیسیا میں جریر بن عبداللہؓ۔ باب میں سلمان بن ربیعہ اور حلوان میں عتبہ بن النہاس۔

بصرہ کے محاذ پر بہت زیادہ فتوحات ہوئیں۔ ان میں سے کچھ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے زمانے میں ہوئیں اور کچھ حضرت عبداللہ بن عامر کی گورنری میں۔ ایک طرف دریائے سندھ تک مکران کے علاقے، دوسری طرف قندہار اور زربدان تک کے علاقے۔ بلکہ کابل اور زبلستان اسی زمانے میں فتح ہوئے۔ جن لوگوں نے ان فتوحات میں لشکروں کی کمانڈ کی۔ ان میں ہرم بن عیان رضؓ۔ احنف بن قیس۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ۔ مجاشع بن مسعود رضؓ۔ خالد بن عبداللہ امیر بن احمر۔ عمیر بن عثمان رضؓ۔ قیس بن ہبیرہ۔ صبیب بن قرہ اور قیس بن ہشیم تھے۔ ان سب میں عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمٰن بن سمرہ حضرت عثمان رضؓ کے رشتہ دار تھے۔ لیکن یہ صاحبان حضرت علی رضؓ اور خود حضور پاکؐ کے بھی اتنے ہی رشتہ دار تھے کہ عامر، حضور پاکؐ کی پھوپھی کا بیٹا تھا۔ اور عبدالرحمٰن بھی دور کا رشتہ دار تھا۔

قبیلہ قریش میں باہم رشتہ داریاں بہت زیادہ تھیں اور یہ کہنا کہ کون کس کا رشتہ دار تھا یا نہ تھا مشکل ہے لیکن یہ تمام رشتے اسلام کے بعد ثانوی حیثیت اختیار کر گئے۔ اسلام میں رشتہ حب للہ اور بغض للہ کے تحت ہوتا ہے اور اس کا عملی نمونہ جنگ بدر میں دیا گیا جس کی تفصیل کسی اور مضمون میں بتائی جائے گی۔ فی الحال ہم یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف یہ الزام کہ آپ اپنے رشتہ داروں کو امیر بناتے تھے سراسر غلط ہے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے آٹھ یا دس سال اسلام کی تاریخ کا زریں دور ہے۔ اور آخری چند سالوں میں جو فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اس میں مقصد تو چند تھے۔ انہوں نے لوگوں کی نادانی سے فائدہ اٹھایا اور سازش کے ذریعہ سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ اور ان کو ایسی آزادیٔ فکر کی طرف مائل کر دیا جو شیطنیت کی پیداوار تھی۔ اور لوگ " افلاطون " بن گئے۔

حضرت عثمانؓ تلوار کے زور سے ایسے فتنہ کو ایک دن میں ختم کر سکتے تھے اور صرف چند سو مفسدین کو قتل کرنا پڑتا۔ لیکن آپ کو حضور پاکؐ آنے والے واقعات سے آگاہ فرما گئے تھے۔ اور آپ نے تلوار اس لئے استعمال نہ کی کہ آیندہ کے حکمران آپ کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے ہر جائز یا ناجائز معاملہ میں اپنی حکمرانی کے لئے تلوار استعمال نہ کرتے رہیں۔ جب مفسدین مدینہ شریف میں مظلوم شکل بنا کر داخل ہو گئے۔ تو اس وقت بھی مدینہ شریف میں ہزاروں لوگ حضرت عثمانؓ کے ہمدرد تھے۔ اور مفسدین کی تعداد ایک ہزار سے بھی کم تھی۔ اگر حضرت عثمانؓ اجازت دے دیتے تو تمام مفسدین کو ختم کیا جا سکتا تھا۔ لیکن آپ مدینۃ النبیؐ میں کوئی ایسی خانہ جنگی والی راہ کی مثال نہ قائم کرنا چاہتے تھے۔

دراصل مفسدین نے آپ کے گھر کا محاصرہ نہیں کیا ہوا تھا بلکہ آج کل زبان کے مطابق "گھیراؤ" کیا ہوا تھا اور آپ کی شہادت ایک حادثہ تھی جس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ چند مفسدین کس طرح قوم کو گمراہ کر سکتے ہیں اور آگے قوم کے مرکز کو اس طرح پاش پاش کر سکتے ہیں جس طرح حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت ہوا۔ وہاں پہ حضرت علیؓ جیسی شخصیت موجود تھی۔ جنہوں نے اسلام کے مرکز کو سہارا دے دیا۔ لیکن آگے جو کچھ ہوا وہ قوم کو معلوم ہے۔ بہر حال حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے جن مشکل حالات میں قوم کے مرکز کو سہارا دیا، وہ کام صرف وہ عظیم ہستیاں ہی کر سکتی تھیں لیکن افسوس کہ اس زمانے کا ایک کالم نویس اور خود ساختہ مولانا نے دونوں عظیم صحابہ کی بے ادبی کی ہے کہ وہ حالات کا سنبھالا نہ دے سکے۔

البتہ ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ آج پھر غلام کذاب قادیانی کے پیرو یا لارڈ میکالے کے شاگرد خاص سر سید کے پیرو ہماری قوم کے اندر وہی فتنہ برپا کئے ہوئے ہیں جیسے عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانے میں کیا۔ ماہنامہ الحق مبارک کا مستحق ہے کہ وہ اس فتنہ سے پردے اٹھاتا رہتا ہے ✝

صاف اور صحت بخش خون ہی انسان کی اچھی صحت کا ضامن ہوتا ہے۔

خون میں فاسد مادوں کی پیدائش سے پھوڑے پھنسیاں، خارش، دانے اور مہاسے وغیرہ جسم پر نمودار ہونے لگتے ہیں۔ ہمدرد کی صافی خون کو صاف اور صحت مند رکھتی ہے۔

صافی کا باقاعدہ استعمال جلدی بیماریوں سے محفوظ رہنے اور خون کی صفائی کا مفید ذریعہ ہے۔

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ

صافی

سے خون بھی صاف
جِلد بھی صاف

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آوازِ اخلاق
بدزبانی ذہن کا سرطان ہے

مولوی محمد حنیف ملّی ۔نقیب پٹنہ

یوسف سلام سے ایک انٹرویو

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے

ہم ان صفحات پر نومسلم انگریز یوسف اسلام کا ایک انٹرویو دے رہے ہیں جسے قطر سے شائع ہونے والا رسالہ الامۃ کے خصوصی کالم نگار محمود دخانی نے لیا ہے جو ایک طرف اس وقت کے معاشرتی بے چینیوں سے پردہ اٹھاتا ہے تو دوسری طرف اسلام کی حقانیت اور ابدی دین حق ہونے کی زریں حقیقت کو بھی بے نقاب کرتا ہے۔ یوسف اسلام اس وقت عربی اور انگریزی صفحات کے لئے بڑی توجہ کا باعث بنے ہوتے ہیں۔ انہوں نے موسیقی کے باکمال اور ماہر فن ہوکر کیوں اسلام قبول کیا۔ یہ انٹرویو ان ہی کی زبان سے ملاحظہ فرمائیے۔

آپ کے مسلمان ہونے کی بنیادی اور اہم وجہ کیا ہے ؟

میرے مسلمان ہونے کا پہلا اور آخری سبب صرف قرآن کریم ہے۔ میں قرآن کے دروازے سے اسلام میں داخل ہوا۔ میں نے قرآن کے انگریزی ترجمے پڑھے۔ اور جتنا پڑھتا گیا اس کے سمجھنے کا شوق بھی بڑھتا گیا۔

قرآن پاک پڑھتے وقت آپ کو کس چیز کی تلاش تھی ؟

میں حقیقت کی تلاش میں تھا۔ میں نے دوسرے مذاہب کا بھی خوب مطالعہ کیا ان کی مذہبی کتابیں پڑھیں۔ لیکن مجھے کہیں تسکین نہ ہوئی۔ یہ حقیقت مجھے قرآن سے ملی اور دوسرے مذاہب کی طرح اسلام کسی خاص وقت اور خطہ کے لئے نہیں ہے۔ دوسرے مذاہب حالات سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ اسلام زندہ جاوید مذہب ہے۔ اس میں ہر زمانہ کے تمام مسائل حل کرنے کی استعداد پورے طور پر موجود ہے۔ قرآن ہی وہ کتاب ہے حقیقت جاننے کے لئے ہر معیار پر تمام انسانوں کو مخاطب کرتا ہے اور میں نے اس راز کو پالینے کے بعد خود کو بھی پالیا۔

قرآن کریم کی کوئی ایسی مخصوص آیت بتائیے جس نے آپ کو اسلام کے لئے آمادہ کیا ہے ؟

ویسے تو بے شمار آیتیں ہیں خصوصاً وہ آیات جو خدا کے اسماء حسنیٰ اور صفات باری کو بتاتی ہیں کہ خدا ایک ہے حکیم و دانا ہے۔ قادر و توانا ہے۔ ان آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی میں وہی مقصود ہے اور اس

دنیا میں خدا کے وجود کا یہی مفہوم ہے۔ میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا قرآن کریم ہی نے بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اسی وقت ان پر ایمان لے آیا اور ان کے لائے ہوئے دین کا یقین بھی دل میں جم گیا۔ اور یہ عقیدہ بھی پختہ ہو گیا کہ قرآن کسی انسان کا نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے۔ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانوں تک پہنچا ہے۔

مسلمان ہونے کے بعد آپ کا عزیزوں اور قرابت داروں کے ساتھ آپ کا سلوک کیسا ہے؟

قرابت اور رشتہ داری میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس لئے کہ مسلمان ہونے کے ناطے میں تعلقات ختم نہیں کر سکتا۔ ہاں میری اور خاندان والوں کے طرز زندگی میں قابل لحاظ فرق ہے۔ خدا نے مجھے ان کو بھی دین کی دعوت دینے کی توفیق دی وہ بھی اس حقیقت کو مانتے ہیں کہ خدا ایک ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ وہ شراب نہیں پیتے برائی سے بچتے ہیں۔ ہاں اتنا ہے کہ اسلام ان کی عملی زندگی سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ میرے اور بیوی کے سوا خاندان میں کوئی نہیں جن کی زندگی حقیقی اور عملی اسلام کا نمونہ ہو۔

آپ کے دیرینہ دوستوں پر مسلمان ہونے کا کیا ردعمل ہے کیا آپ ان سے کنارہ کش ہیں؟

یوں تو میرے کوئی زیادہ دوست نہیں ہیں۔ میرے اسلامی دوست تو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوتے ہیں۔ ہاں میرا ایک گہرا دوست ہے جس سے میرے قدیم روابط ہیں۔ میں نے جب اسلام قبول کیا تو دوست کو بھی اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دینا ضروری سمجھا مگر جب اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو تعلق خود بخود ختم ہو گیا۔ وہ چونکہ شراب کا بھی رسیا تھا اس لئے میں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

قبول اسلام کے بعد جو انفرادی اور اجتماعی دشواریاں تھیں وہ کیا ہیں؟

مشکلات کا کیا پوچھنا۔ دشواریاں تو اسلام لانے ہی کا نتیجہ ہیں۔ اس راہ میں قرآن ہی صرف میرا رہنما ہے زندگی گذارنے کے اگرچہ اور راستے بھی تھے لیکن اسلام کے سوا مجھے سب مہمل اور ناقص نظر آنے ہیں۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ہر اچھی چیز کے قبول کرنے میں مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اس لئے مسلمان ہونے کے بعد بھی مجھے غیر معمولی مجاہدے سے گذرنا ہو گا۔

اپنے خاندان کو دین سکھانے کے لئے آپ نے کوئی نظام بھی مقرر کیا ہے؟

جی ہاں! ہم لوگ روزانہ علی الصبح قرآن پڑھتے کبھی مغرب کے بعد بھی تلاوت کرتے، علاوہ ازیں اسلامی لٹریچر بھی پڑھتے ہیں۔ پھر اسے ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے بھی سنتے ہیں۔ دوستوں سے ملاقات کے ساتھ اسلام اور اسلامی مسائل پر تبادلہ خیال بھی کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہم ہفتہ میں ایک مرتبہ مسجد میں جمع بھی ہوتے ہیں۔ جس میں میری اہلیہ بھی شرکت کرتی ہے۔ اسی مسجد میں اعادہ سبق کے لئے مجھے اپنے استاد کا بھی انتظار ہوتا ہے جس سے میں عربی

زبان سیکھتا ہوں۔ میں اکثر یہ بھی سوچتا ہوں کہ سبق آموز قصہ کے طور پر سہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کتابی شکل میں ترتیب دوں اس میں جو واقعات درج ہوں وہ صحت اور اعتماد کا اعلیٰ معیار رکھتے ہوں۔ اس لئے کہ اکثر قصے غلو اور اسرائیلی روایات سے بھرے ہوتے ہیں۔

اچھا یہ بتائیے آپ تفسیر کی کون سی کتاب پڑھتے ہیں؟

میرے پاس عربی کی کوئی تفسیر تو نہیں ہے۔ ہاں پاکستان کی چھپی ہوئی ایک بہترین انگریزی تفسیر ہے لیکن میں جتنا قرآن، اس کے اسلوب اور آیات سے متاثر ہوا ہوں اتنا ان تفسیروں سے نہیں ہوا اس لئے اصل زبان اور متن مقصد کو سمجھانے میں جتنا بڑا کردار ادا کرتی ہے تشریح نہیں کر پاتی۔

اس وقت آپ کی دینی اور ملی سرگرمیاں کیا ہیں؟

یہاں مسجد میں دوستوں کی ایک جمعیت قائم ہے۔ جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مسجد ہماری زندگی کا مرکز ہو مگر بڑے دکھ کی بات ہے کہ ہم مسجد میں تو جاتے ہیں لیکن ہماری نگاہیں باہر کی چیزوں پر ہوتی ہیں۔ ہم مسجد میں رہ کر اندر آنے اور جانے والی عورتوں کو تکتے رہتے ہیں۔ اس قسم کی غیر اسلامی حرکتوں سے مسجد کو پاک کرنا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ یہ مسجد اصلاح حال و دل کے ساتھ ہم سب لوگوں کے لئے وحدت خیال و شعور کا اہم اور بنیادی مرکز بنیں۔

احباب کی اس جمعیۃ کا مقصد اور نظام العمل کیا ہے؟

اس علمی مجلس کو قائم ہوئے صرف ایک سال ہوا ہے میں اس فکر میں ہوں کہ برطانوی مسلمانوں سے رابطہ قائم کر کے کوئی نظام عمل بھی بناؤں۔ اس لئے کہ مسجد میں صرف نماز کے لئے آنا کافی نہ ہوگا۔ بنابریں ہم نے طے کیا ہے کہ مسجد میں آتے ہی پہلا کام تلاوت قرآن ہو۔ الحمد للہ اس میں ہمیں نمایاں کامیابی ہو رہی ہے۔ ہر روز کچھ نئے چہرے نظر آتے ہیں ہم ان کے سامنے قرآن کریم پڑھ کر عام فہم اور مختصر انداز میں آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں احادیث بھی پڑھی جاتی ہیں۔ ہر سنیچر کو نماز فجر کے بعد ذکر اور تلاوت کے لئے بھی دوستوں کا ایک جوڑ ہوتا ہے اور ایک نشست جمعرات کے دن ہوتی ہے۔ جس میں تبلیغ و دعوت پر خصوصیت سے زور دیا جاتا ہے۔

آپ کی نظر میں اسلام کا مستقبل برطانیہ میں کیا ہے؟

اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہاں ایشیا کے مسلمانوں کی طرف سے کچھ اندیشے لاحق ہیں جنہوں نے اسلام کو صحیح سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ان میں بہت سے تو ایسے ہیں جنہیں انگریزی زبان نہیں آتی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ برطانوی معاشرہ سے کٹے ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کو متاثر بھی نہیں کر سکتے۔ علاوہ ازیں بڑی تعداد ایسے مسلمانوں کی ہے جن کی زندگی اسلام کا سچا نمونہ نہیں پیش کرتی۔ وہ کھلے عام شراب خانوں اور عیاشی کے اڈوں پر آتے جاتے ہیں۔ پھر مسلم ملکوں کی ماندگی کا بھی نقصان دہ اور گہرا اثر پڑ رہا ہے۔

یہ تو ایشیائی مسلمانوں کا حال زار ہے اچھا یہ بتائیے کہ برطانوی مسلمانوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟

میں برطانوی نہیں صرف مسلمان ہوں۔ مجھے برطانیہ سے نہیں اسلام سے نسبت ہے۔ میرے نزدیک نسل اور قومیت کی اہمیت نہیں ہے۔ بلکہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہماری زندگی اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہو جائے۔ اس لئے کہ خود میرا حال قرن اولیٰ کے مسلمانوں سے کسی طرح بھی مختلف نہیں ہے۔ جو پہلے آغوش جہالت میں تھے پھر اسلام لائے لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ غیروں سے کہیں زیادہ اپنوں کو دعوت دیں۔

ذرا اس کی بھی وضاحت فرما دیجئے کہ غیر مسلموں میں آپ کی سرگرمیاں کیا ہیں ؟

مختلف یونیورسٹیوں میں لیکچر دیتا ہوں جس میں غیر مسلم بھی شریک ہوتے ہیں۔ میری تقریریں بڑی حد تک ان کے لئے جذب وکشش کا باعث ہوتی ہیں۔ اور وہ ایسے پروگراموں میں پہلے سے زیادہ تعداد میں حاضر ہوتے ہیں۔ اسی طرح اخبارات اور ریڈیو ٹیلی ویژن کے ذریعے مذہب میں تقابلی مطالعہ کے لئے بھی مجھے اظہار خیال کا موقع ملتا ہے میری انتہائی سعی ہوتی ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ باتیں غیر مسلموں سے بھی کر لوں۔ میں ٹی وی کو اس لئے ترجیح دیتا ہوں تاکہ غیر مسلم مسجد کی بے حرمتی نہ کر سکیں۔ اس لئے کہ وہ جب اسلام کو سمجھنے کے لئے مسجد میں آتے ہیں تو اسے میوزیم یا ایک نمائش گھر سمجھ کر احترام نہیں کرتے جس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

کیا آپ چاہیں گے کہ تمام مسلمانوں کے لئے عموماً اور عرب دنیا کے لئے خصوصاً آپ کی طرف سے کوئی پیام نو ہو ؟

میرا پیغام تو بس یہ ہے کہ صحیح قرآن پڑھنے کی دعوت دی جائے ہمیں چاہئے کہ قرآن کی زبان سیکھیں اور سمجھیں اپنی ہدایت کو کافی نہ سمجھیں بلکہ ہمارا مشن دوسروں کو دعوت دینا بھی ہو کیونکہ نبیعل کا یہی مشن ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئے ہدایت خدا کی طرف سے ہے۔ دعوت وتبلیغ میں کوتاہی نہیں ہونا چاہئے۔ کیا عجب ہے کہ ہمارے ان جملوں اور باتوں میں دوسروں کے لئے ہدایت پوشیدہ ہو۔ عربوں کو میری یہ نصیحت ہے کہ وہ شوخی اور شاہانہ زندگی سے دور بھاگیں جو ایک مسلمان کے لئے کسی طرح زیب نہیں اپنی لیڈرشپ اور قیادت کی طرف لوٹ چلیں۔ کہ وہ اس روئے زمین پر امت دعوت اور امت اجابت ہیں۔

موسیقی چھوڑ کر آپ نے کافی خسارہ اٹھایا ہے جتنا آپ موسیقی سے کماتے تھے اب اس کا موقع کہاں ہے ؟

مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ سچ یہ ہے کہ جس نے خدا کو پا لیا اس کا رتی برابر خسارہ نہیں ہوا۔

کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام سے مشرف ہونے کے بعد آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی ؟

میں اسلام کو سب سے بڑا شرف اور سعادت سمجھتا ہوں اور مصیبتیں تو اس دنیا کی خصوصیت ہے ایک بندہ مومن کی سب سے بڑی راحت تو خدا سے ملاقات اور اس کا دیدار ہے جس کے سامنے تمام مصائب ہیچ ہیں — تمام مذاہب میں آپ نے اسلام کو ہی پسند کیوں کیا ؟ — اس لئے کہ یہی سچا مذہب ہے اور قرآن سچی کتاب ہے جس میں آج تک کسی عالم یا غیر عالم نے کوئی ادنیٰ سی فروگذاشت اور تضاد نہیں ثابت کیا اس سے بڑھ کر تمام انسانوں کی ہدایت کیلئے جو امور ضروری ہیں وہ سب قرآن پاک میں قیامت تک کے لئے مذکور اور موجود ہیں ✝

پروفیسر محمد اسلم صاحب

بھارت کا تازہ سفرنامہ

بریلی ۔ بدایوں ۔ شاہجہاںپور

رام پور کے متعدد احباب مجھے الوداع کہنے ریلوے اسٹیشن تک آئے اور ان کے اصرار پر اسٹیشن سے قریب ایک مقام پر قدرے قیام رہا ۔ رام پور سے میں نے بریلی کا ٹکٹ خریدا اور میں تقریباً ایک گھنٹے میں وہاں پہنچ گیا ۔ پہلے وقتوں میں بریلی روہیل کھنڈ کا صدر مقام تھا ۔ اور اٹھارھویں صدی میں حافظ الملک حافظ رحمت خان کی وجہ سے اسے بڑی شہرت ملی ۔ ان دنوں وہاں یونیورسٹی بھی بن گئی ہے جو "یونیورسٹی آف روہیل کھنڈ" کے نام سے موسوم ہے ۔

ریلوے اسٹیشن سے چند قدم کے فاصلے پر بریلی ہوٹل اور سول اینڈ ملٹری ہوٹل کے نام سے دو بڑے اچھے ہوٹل ہیں ۔ میں نے اس بار بریلی ہوٹل میں قیام کیا اور نہا دھو کر سیر و تفریح کے لئے نکلا ۔ ہوٹل سے قریب ہی ایک مسجد تھی جہاں میں نے مغرب کی نماز قدرے تاخیر سے ادا کی ۔ یہ مسجد بریلویوں کی تھی اور وہاں ایک بورڈ نصب تھا جس پر یہ عبارت مرقوم تھی کہ یہاں دھنگا فساد اور مذہبی بحث کرنے والا نتائج کا خود ذمہ دار ہوگا ۔

مسجد کے صحن میں چند آدمی بیٹھے ہوئے تھے ۔ جب میں نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو ایک شخص نے مجھے ٹوکا اور کہا کہ میں اپنی گھڑی اتار لوں کیونکہ کلائی کے ساتھ گھڑی باندھنے سے نماز نہیں ہوتی ۔ میں نے اس کی سنی ان سنی ایک کر دی اور نماز ادا کر کے مسجد سے باہر آیا ۔ قریب ہی ایک مسلمان کا ریسٹوران تھا ۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اس سے مولوی احمد رضا خان کے مزار کا اتہ پتہ پوچھا ۔ ڈرنے کی بات یہ تھی کہ اگر میں مولوی صاحب کے لئے لمبے چوڑے القاب استعمال کرتا اور وہ کوئی غیر بریلوی ہوتا تو میں مشکل میں پھنس جاتا ۔ اور اگر میں ان کا ذکر عام الفاظ میں کرتا اور میرا مخاطب بریلوی ہوتا تو مجھے جان بچانی مشکل ہو جاتی ۔

بہر حال اس بھلے آدمی نے مجھے ان کے مزار کا اتہ پتہ بتایا تو میں نے اس سے کہا کہ وہ کسی رکشا والے کو سمجھا دے اور وہ مجھے وہاں پہنچا دے ۔ اس نے فوراً ایک رکشا والے کو بلایا اور اس سے کہا "یہ بڑے مولوی صاحب کے ہاں جا رہے ہیں ۔ انہیں وہاں تک لے جاؤ ۔ اور خبردار ایک روپیہ پچیس پیسے سے زیادہ کرایہ وصول نہ کرنا"

مولوی احمد رضا خان کے مزار تک جانے کے لئے پرانے شہر کے اندر پُر پیچ اور تنگ گلیوں میں سے گزر کر جانا ہوتا ہے۔ راستے میں ایک چھوٹا سا بازار پڑتا ہے جسے بجریا کہتے ہیں۔ اس بازار کی دکانوں اور مکانوں کی ساخت دیکھ کر یہ خیال آتا ہے کہ کسی وقت یہ بریلی کا بازارِ حسن ہوگا۔ بجریہ سے گزر کر سوداگری محلے میں جا پہنچتے ہیں یہی محلہ مولوی صاحب کی سرگرمیوں، الزام تراشیوں، فتوے بازیوں اور تکفیری اشتہارات کا مرکز تھا۔

سوداگری محلے کی ایک گلی کے موڑ پر ایک معمولی سے مکان کے باہر ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر" جامعہ رضویہ مظہر اسلام مہتمم ریحان رضا خان" لکھا ہوا تھا۔ اس جامعہ میں گنتی کے چار پانچ کمرے ہوں گے۔ جامعہ سے چند قدم کے فاصلہ پر ایک تکونی مسقف مسجد ہے جس کا صحن نہیں ہے کیونکہ اتنی گنجان آبادی میں بڑی مسجد تعمیر کرنی ممکن ہی نہیں تھی۔ اس مسجد سے قریب ہی ایک مکان کے اندر " اعلیحضرت فاضل بریلوی" کا مزار ہے۔ اس مکان کے دروازے پر یہ مصرع کندہ ہے۔

بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ ہست

دروازے پر ایک سبز رنگ کا پردہ لٹک رہا تھا۔ میں پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا۔ اس کمرے میں کئی قبریں ہیں مولوی احمد رضا خان کی قبر وسط میں تھی اور اس کے گرد ایک غلام گردش بنا ہوا ہے جسے ان کے معتقدین مطاف کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اسی کمرے میں مولوی صاحب کے فرزند حامد رضا خان کی بھی قبر ہے اور ان کے لوح مزار پر ان کے نام کے ساتھ" قامع بدعت محیٔ سنّت" کا پُر فریب لقب بھی کندہ تھا۔ لوح مزار کی عبارت پڑھ کر مجھے بے ساختہ ہنسی آئی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس وقت وہاں کوئی بریلوی نہ تھا ورنہ میری شامت آجاتی۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر ڈھول دھپہ جانے میں یہ حضرات بڑے دلیر واقع ہوئے ہیں۔ اسی کمرے میں جیلانی میاں اور حسنین رضا کی بھی قبریں ہیں۔ ایک قبر اعلیٰ حضرت کے خادمِ خاص حاجی کفایت اللہ کی بھی ہے۔

میں" دربارِ رضائیہ" سے باہر نکلا تو میری نظر ایک لمبے چوڑے بورڈ پر پڑی۔ اس پر" اعلیحضرت ایک نظر میں" کے عنوان سے ولادت سے لے کر وفات تک ان کے حالاتِ زندگی لکھے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب کا رہائشی مکان" دیارِ رضا" بھی قریب ہی ہے۔ اس کے دروازے پر" ادارۂ تصنیفاتِ رضا بریلی" کا بورڈ بھی آویزاں تھا۔

میری خواہش پر ایک بریلوی مجھے مولوی احمد رضا خان کے مزار کی بالائی منزل پر لے گیا۔ وہاں بھی قبروں کے نشان تھے اور تیسری منزل پر چھوٹا سا فانوس دار گنبد بنا ہوا تھا۔ مزار سے ملحقہ عمارت" رضوی افریقی دارالاقامہ" کے نام سے موسوم ہے۔ وہاں غالباً جامعہ مظہر اسلام کے طلبہ رہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے فتاویٰ افریقیہ کے نام سے ایک مجموعۂ فتاویٰ چھاپا تھا۔ جس میں ادھر ادھر تکفیر کے تیر چلائے ہوئے ہیں۔ شاید اس دارالاقامۃ کا نام بھی اسی

مناسبت سے رکھا گیا ہو۔

میں نے یہ عمارات دیکھنے کے بعد حکیم محمد موسیٰ امرتسری، سیکرٹری مجلس رضا پاکستان کو خط لکھا کہ آپ لوگوں نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔

مولوی احمد رضا خاں کے مزار سے اندازاً ڈیڑھ دو فرلانگ کے فاصلہ پر چشتیہ نظامیہ سلسلہ کے نامور بزرگ شاہ نیاز احمد بریلوی کی خانقاہ ہے۔ وہاں شاہ صاحب کو ان کے نام سے کوئی نہیں جانتا۔ عوام انہیں قطب صاحب کے لقب سے جانتے ہیں۔ میں پر پیچ گلیوں میں سے گذرتا ہوا خانقاہ نیازیہ پہنچا۔ اس روز وہاں حضرت محمد تقی کا عرس ہو رہا تھا۔ سماع خانہ کی پیشانی پر "قصر عالی خانقاہ نیازیہ" درج ہے۔ یہ جان کر مجھے حیرت ہوئی کہ درگاہ کے احاطے میں مسجد نہیں ہے۔ میں نے ایک شخص سے اس کا گلہ کیا تو اس نے جواب دیا کہ اس محلے میں مسجد ہے جس نے نماز ادا کرنی ہوتی ہے وہ وہاں چلا جاتا ہے۔

درگاہ کے احاطے میں ایک پُر تکلف اور خوبصورت دالان میں حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی۔ شاہ محی الدین احمد شاہ نظام الدین اور شاہ محمد تقی کے مزارات ہیں۔ دالان کے اوپر سنگ مرمر کے تین خوشنما قاش دار گنبد بنے ہوئے ہیں جو قابل دید ہیں۔ درگاہ کے صحن میں جعفر میاں، مہدی میاں اور حسن میاں کی قبریں ہیں۔ حسن میاں کی قبر کو اُن کے معتقدین سجدے کر رہے تھے اور ایک شخص قبر کو لوبان کی دھونی دے رہا تھا۔ یہ چیزیں میرے لئے تو عجیب تھیں لیکن قبوری شریعت پر عمل پیرا بدعتیوں کی گھٹی میں پڑی تھیں۔

شاہ نیاز احمد حضرت مولانا فخر الدین عرف فخر جہاں کے خلیفہ تھے۔ یہ دونوں بزرگ علی الاعلان تفضیلی عقیدے کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اس عقیدے میں شاہ نیاز احمد کے غلو کا اندازہ اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار ایک شخص ان سے ملنے گیا۔ اس کے پاس ازالۃ الخفاء کا ایک نسخہ تھا۔ جو اس نے کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا شاہ صاحب نے باتوں باتوں میں اس سے کہا "مجھے خروج کی بُو آرہی ہے۔ سچ سچ بتاؤ اس کپڑے میں کیا چھپا رکھا ہے؟" اس شخص نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا کہ اس کے پاس ازالۃ الخفاء ہے۔

شاہ صاحب شعر و سخن کے قدر دان اور سماع کے دلدادہ تھے۔ ان کے انتقال کے بارے میں یہ روایت زبان زدِ خلائق ہے کہ ایک بار ان کی خانقاہ میں سماع ہو رہی تھی۔ قوال نے جونہی یہ مصرع اٹھایا:۔

سجدہ گاہِ عاشقاں میان دو ابروئے علیؓ

تو حضرت چونک پڑے اور قوال سے کہنے لگے۔" میاں کیا کہا، پھر سے کہنا"

اس نے دو تین بار یہ مصرع دہرایا تو حضرت بھی اس کے ساتھ اس مصرع کی تکرار کرنے لگے اور اسی حالت میں ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

شاہ نیاز احمد نے تصوف کے مسائل کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے اشعار میں سمویا ہے ان کا یہ شعر تو دل میں رکھ لینے کے لائق ہے ؎

بُوالہوس پاؤں نہ رکھیو کبھی اس راہ کے بیچ
کوچۂ عشق ہے یہ ، رہگذر عام نہیں

خانقاہ نیازیہ سے میں بریلی ہوٹل آیا اور اگلے روز بدایوں روانہ ہوا۔ بریلی سے بدایوں تک بس کا پونے دو گھنٹے کا سفر ہے۔ مقامی لوگ بدایوں کو مدینۃ الاولیاء کہتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ وہیں کے رہنے والے تھے۔ ان کے نانا اور دادا ماوراء النہر سے آکر لاہور آباد ہوئے اور بعد ازاں بدایوں چلے گئے۔

سلطنت دہلی کے آغاز میں بدایوں کا ماحول بڑا پاکیزہ تھا۔ اس لئے خلوت پسند اور سکون کے متلاشی بزرگ اور اہل قلم دہلی کی بجائے بدایوں کی سکونت کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے بھی آسام جانے سے پہلے کچھ وقت وہاں گذارا تھا۔ اس دور میں ضیاء نخشبی نام کے ایک مصنف نے بدایوں میں بڑا نام پایا تھا۔ سلطان شمس الدین التمش نے تخت نشین ہونے سے پہلے کئی سال بدایوں میں بحیثیت گورنر گذارے تھے۔

شہر میں داخل ہوتے ہی محلہ جواہر پوری میں نواب اخلاص خان کا مقبرہ دکھائی دیتا ہے۔ اس عمارت کے اندر جو بارہ دری کی طرز پر بنی ہوئی ہے۔ پانچ قبریں ہیں جن میں سے درمیانی قبر نواب موصوف کی ہے۔ مقبرے کے چاروں کونوں پر بُرجیاں بنی ہوئی ہیں۔ اور درمیان میں ایک شاندار گنبد بنا ہوا ہے۔ مقبرے کی اندرونی سقف پر نقش و نگار بنے ہوتے ہیں۔ دیواروں پر خط نستعلیق میں عبارتیں درج ہیں جو اب پڑھی نہیں جاتیں۔ مقبرے سے جانب مغرب ایک مسجد ہے جس کی دیواروں پر منقش ٹائلیں لگی ہوئی ہیں۔

جواہر پوری کے کھیتوں میں جا بجا ٹوٹی پھوٹی عمارتوں کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ بدایوں کی شہر پناہ کے آثار بھی کئی جگہ موجود ہیں۔ ان کھنڈرات کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ کسی زمانے میں بدایوں واقعی ایک عظیم شہر ہو گا۔

مولوی ٹولہ نامی محلے میں شمس الدین التمش کی بنوائی ہوئی ایک وسیع و عریض مسجد ہے جو اپنے بانی کے نام کی مناسبت سے شمسی مسجد کہلاتی ہے۔ اس مسجد کی دیواریں کئی فٹ چوڑی ہیں اس لئے گرمیوں کے موسم میں بھی دالان سرد رہتا ہے۔ مسجد کی دیواروں پر خطِ کوفی میں لکھی ہوئی عبارتیں موجود ہیں۔ جنہیں پڑھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔

ایک کتبے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اکبر کے عہد میں قطب الدین خان نے اور پھر جہانگیر کے عہد میں ابراہیم خان نے اس مسجد کی مرمت کرائی تھی۔ میں نے ایک کتبے کی عبارت یوں پڑھی ہے۔

" درعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی ۱۰۱۳ ہزار و سیزدہ بنا کرد این مسجد قطب الدین خان چشتی سرش

شیخ کوکہ خوبو ابو المظفر سلطان سلیم شاہ غازی ابن جلال الدین محمد اکبر بادشاہ باہتمام نواب ابراہیم ولد خان مذکور میر عمارت عبد الملک ۔

اسی طرح ایک کتبے پر تین شعر کندہ ہیں جو میں نے یوں پڑھے ہیں ۔

بنائی خان قطب الدین مرحوم   بشد محکم بحکم خان کشور

بقصد شیخ فیض اللہ چشتی   چو شد اتمام با صد زینت و فر

پئی تاریخ او گفتم سرد را   زجان گو خالصتاً اللہ اکبر

یہ مسجد دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میں اسے نہ دیکھتا تو عہد سلطنت کی ایک اہم اور قابل دید عمارت میری نظروں سے اوجھل رہتی ۔ اس مسجد کا شمار پاک و ہند کی قدیم ترین مساجد میں ہوتا ہے ۔

بدایوں کے ایک بازار میں دور سے پیلے رنگ کی ایک خوبصورت عمارت نظر آتی ہے جس کے صدر دروازے پر گھنٹہ گھر بنا ہوا ہے ۔ یہ مدرسہ شمس العلوم کی عمارت ہے ۔ بدایوں جا کر معلوم ہوا کہ جس طرح بریلوی ایک مکتب فکر کا نام ہے اسی طرح بدایونی بھی باقاعدہ ایک مکتب فکر ہے ۔ ان دونوں مذاہب میں کیا فرق ہے یہ تو کوئی بریلوی یا بدایونی ہی بتا سکتا ہے ۔ سنا ہے کہ آزادی سے قبل عبد الحامد بدایونی اسی مدرسے سے وابستہ تھے ۔

بدایوں میں حضرت سلطان التارکین حمید الدین ناگوری کے ایک مرید سلطان العارفین شمس الدین کا مزار مرجع خلائق ہے ۔ یہ بزرگ وہاں بڑی سرکار کے نام سے معروف ہیں ۔ اسی طرح ایک درگاہ چھوٹی سرکار کے نام سے موسوم ہے ۔ بدایوں میں ایک مقبرہ پہلوان کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے ۔ اس کے قریب ہی ایک مقبرہ ہے جسے "چینی کا روضہ" کہتے ہیں ۔ اس میں بھی کوئی اللہ کا بندہ محو خواب ابدی ہے ۔ اس بزرگ کی قبر ایک تہ خانے میں ہے اور تہ خانے سے ایک سرنگ ایک کنوئیں میں جا نکلتی ہے ۔ یہ سرنگ غالباً تہ خانے کو سرد رکھنے کے لئے بنائی گئی ہے ۔

بدایوں اگرچہ ضلع کا صدر مقام ہے لیکن بے رونق شہر ہے ۔ آزادی کے بعد وہاں کے مسلم باشندے یا تو پاکستان منتقل ہو گئے یا تلاش معاش میں بدایوں سے باہر چلے گئے ۔ اس شہر کا محل وقوع بھی ایسا ہے کہ وہاں پہنچنے کے لئے بڑا تردد کرنا پڑتا ہے ۔

بدایوں کی سیر کر کے میں بریلی واپس آیا اور ہوٹل سے اپنا سامان اٹھا کر شاہجہانپور روانہ ہوا ۔ وہاں میرے ایک دوست پروفیسر قاری محمد بشیر الدین پنڈت رہتے ہیں ۔ ان کے ساتھ میرے ۱۹۵۴ء سے دوستانہ مراسم ہیں ۔ میں دو بار شاہجہان پور جا کر ان سے مل چکا ہوں اور ایک بار علی گڑھ میں بھی ان سے ملاقات ہو چکی ہے موصوف بھی دو بار پاکستان تشریف لا چکے ہیں ۔

قاری صاحب سنسکرت زبان کے عالم ہیں اور اسی وجہ سے پنڈت کہلاتے ہیں ۔ موصوف مولداً اور مذہباً "بدایونی"

ہیں۔ ان کی کئی کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں جن میں "رسولِ شاہد و مشہود" اور "تاریخ ہندی قرونِ وسطیٰ" خاص طور پر مشہور ہیں۔ انہوں نے بابا نانک کے بارے میں ایک کتابچہ تحریر کیا ہے۔ اور اس میں ان کا نام عبدالمجید نانک لکھ کر انہیں مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ میری ذاتی لائبریری میں پنڈت جی کی کتابیں ان کے دستخطوں کے ساتھ موجود ہیں۔

میں نے شاہجہان پور میں ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک ہوٹل میں قیام کیا اور قاری صاحب سے ملنے گیا مغرب کی نماز کے بعد میں ان کے ہاں پہنچا اور بڑی دیر تک ان کے پاس بیٹھا رہا۔ اس سے پچھلے سفر میں انہوں نے مجھے سلاطین شرقی کے چند سکے تحفۃً دئے تھے جو میرے ذخیرۂ مسکوکات میں محفوظ ہیں۔ قاری صاحب کے بچے بھی مجھ سے مانوس ہو چکے ہیں۔ اور ان کا ایک فرزند ظہیر الدین کونثر عائشہ بادانی کالج میں لیکچرار ہے۔

شاہجہانپور پٹھانوں کی بستی ہے اور کھنّوت اور گرّا نام کی دو ندیوں کے درمیان واقع ہے۔ اس شہر کی خاک سے کئی نامور عالم اور شاعر اٹھے ہیں۔ قاری صاحب کے علاوہ وہاں میرا کوئی واقف نہ تھا اور میں صرف ان سے ملنے ہی گیا تھا اس لئے رات کے پچھلے پہر میں شاہجہان پور سے روانہ ہوا اور صبح دس بجے کے قریب لکھنؤ پہنچ گیا۔ لکھنؤ کا سفرنامہ میں البلاغ میں طبع کرا چکا ہوں اس لئے اس کا اعادہ لاحاصل ہے۔ لکھنؤ میں تین دن قیام کے بعد میں کانپور چلا گیا اگلی قسط ان شاء اللہ کانپور اور گنج مراد آباد کے بارے میں ہو گی +

شاہ بلیغ الدین

یہ تعظیم اللہ

ابھی صبح نہیں ہوئی تھی کہ مدینے کے کوچہ و بازار میں ایک نعرہ گونجا — یا صباحاہ! کوئی مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ بستی جاگ پڑی۔ کچھ لوگ بھاگم بھاگ وہاں پہنچے۔ جہاں سے آواز سنی گئی تھی۔ لیکن وہاں ریت پہ قدموں کے گہرے گہرے نشان تھے اور بس۔

پہچاننے والے پہچان گئے یہ کوئی اور نہیں سلمہ بن اکوع رضؓ ہوں گے۔ مدینہ کیا عرب میں دور دور تک حضرت سلمہؓ کی شہرت تھی۔ سچ مچ برق تھے، چھلاوہ تھے۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کبھی مقابلہ ہوتا تو تیز رفتار گھوڑے اُن کے ساتھ دوڑائے جاتے پھر بھی یہ ہاتھ نہ آتے۔

فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوازن اور ثقیف سے لڑنے نکلے تھے۔ راستے میں ایک جگہ لشکرِ اسلام نے پڑاؤ کیا۔ دس ہزار سے اونچا لشکر تھا۔ یہاں سے وہاں تک لوگ ہی لوگ ہی تھے۔ ایک دریا تھا کہ پھیلا ہوا تھا ایک طرف ہل چل ہوتی تو دوسری طرف خبر بھی نہ ہوتی۔ ایک شخص اونٹ پر سوار ہو کر آیا ایک طرف ہو بیٹھا مسافر سمجھ کر اللہ کے سپاہیوں نے تواضع کی۔ صبح صبح کا وقت تھا۔ اُس نے مل کر سب کے ساتھ ناشتہ کیا۔ گھوم پھر کر ادھر اُدھر دیکھا۔ سارے لشکر کا جائزہ لیا۔ ساز و سامان بھانپا۔ فوج کے اتارے کا رُخ دیکھا اور پھر یہ جا وہ جا۔ اب جو وہ اس تیزی سے نکل بھاگا تو کچھ مسلمان سوچ میں پڑ گئے۔ کسی نے کہا — یہ تو جاسوس تھا! دشمن کا مخبر! یہ تو بہت برا ہوا۔ کہ ہم نے اسے لشکر میں گھومنے پھرنے دیا۔ یہ بات جنگل کی آگ کی طرح دیکھتے ہی دیکھتے سارے لشکر میں پھیل گئی۔ ایک مجاہد نے کہا۔ وہ کون تھا کیا تھا؟ یہ سوچنے کا وقت نہیں کسی طرح اسے پکڑ لانا چاہیے۔ اُس کے پیچھے نکلا۔ لوگوں نے کہا — اب بھلا وہ تمہیں کیا ملے گا؟ ایک تو اتنی دیر ہو گئی۔ پھر اُس کا اونٹ تازہ دم تھا خوب بھاگنے والا۔ اب وہ کہاں مل سکتا ہے؟ حضرت سلمہؓ بن اکوع بھی وہیں تھے۔ ان کے کان میں بھی بھنک پڑی۔ دم لینے کا وقت نہیں تھا۔ تیر کی طرح نکلے۔ راستے میں وہ مجاہد بھی ملا جو دشمن کا پیچھا کر رہا تھا۔ رکنے کا وقت نہ تھا نہ بات کرنے کا موقع۔ یہ اسے پیچھے چھوڑ ہوا کے جھکڑ کی طرح آگے نکل گئے۔ میلوں کی دوڑ تھی۔ کوئی پتہ نہ تھا کہ دشمن کہاں تک جا چکا ہے۔ آخر حدِ نظر پر انہیں گرد اڑتی نظر آئی۔ ضرور کوئی شتر سوار جا رہا تھا۔ ریت زیادہ تھی۔ پیر دھنستے جا رہے تھے۔ لیکن سلمہؓ تو اس زمین پر دوڑنے

میں مشتاق تھے۔ جس کی تلاش میں نکلے تھے وہ نظر آیا۔ تو اور بھی سرپٹ ہوگئے آخر اسے جا پکڑا وہ بھی بلا کا چوکنا پتوں کے کھڑکنے پر بھی کان لگائے ہوئے تھا۔ سمجھتا تھا کہ ضرور پیچھا ہوگا اس لئے بگٹٹ جا رہا تھا یہ اس کے لئے زندگی اور موت کی دوڑ تھی۔ اُس نے جو دیکھا کوئی دیوانہ وار اس کی طرف اڑا چلا آرہا ہے۔ سمجھ گیا کہ موت کا پروانہ ہے۔ اس نے اپنی سواری کو اور بھی تیز کر دیا۔ دشمن پیچھا کر رہا تھا لیکن سوار کو ڈھارس تھی کہ وہ پا پیادہ ہے اور خود شتر سوار، دونوں کا کوئی مقابلہ نہیں۔ اس نے سوچا تھوڑی دیر میں پیچھا کرنے والا آپ ہی تھک کر رہ جائے گا۔ لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ پیچھا کرنے والا برق پا راہوار سے بھی بڑھ کر ہے۔ حضرت سلمہؓ نے آخر اسے جا لیا۔ اونٹ کے آگے نکل گئے۔ راستہ روکا۔ اونٹ کو گھیرا، تلوار سونتی چھلاوہ تھے کہ اُڑ کر دشمن پہ گرے اور ایک ہی وار میں اس دشمنِ دین کا کام تمام کر دیا۔

مسلمان اپنے پڑاؤ پر انتظار کر رہے تھے۔ بارگاہِ ختمی مرتبت ؐ میں بھی اطلاع پہنچ چکی تھی۔ یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ سلمہؓ بن اکوع پیچھا کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ دشمن کا کیا حشر ہوگا۔

وقت گزرا، مسلمان انتظار میں بیٹھے رہے پھر انہوں نے دیکھا دُور کوئی اونٹ پر سوار ان کی طرف آ رہا ہے سبھی سراپا انتظار تھے۔ اتنے میں سلمہؓ بن اکوع آ پہنچے۔ بتایا، دشمن تو دوزخ سدھارا۔ یہ اُس کا سازو سامان میں لے آیا ہوں۔ فوراً خدمتِ نبویؐ میں اطلاع گزرانی گئی۔ آپؐ نے فرمایا ــــ یہ غنیمت سلمہؓ ہی کا حق ہے وہی لے لیں!

حضرت سلمہؓ بہادر تو تھے ہی لیکن دوڑنے میں واقعی کوئی ان کی گرد کو نہ پہنچتا تھا۔ وہ چودہ لڑائیوں میں شریک رہے۔ اُن میں سات غزوات تھے۔ دوسری روایت میں ہے سولہ لڑائیوں میں شامل ہوئے اصابہ میں ہے ۷۴ ہجری میں مدینے میں حضرت سلمہؓ بن اکوع نے انتقال کیا۔ وہ جو صبح ہی صبح یا صباحاہ کا نعرہ بلند کرکے کوئی مدد کے لیے چلا رہا تھا وہ سلمہؓ بن اکوع ہی تھے۔ جہاں اُن کے پیروں کے نشان تھے۔ اس سے ذرا دور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ایک ملازم کھڑا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟

اس نے بتایا بنو غطفان کے کچھ لٹیرے آئے تھے۔ عرب میں بنو غطفان اپنی ڈاکہ زنی کے لئے مشہور تھے۔ اُنہوں نے ذی قرد کی چراگاہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اونٹ پکڑ لئے اور چلتے بنے۔ مدینے کی چراگاہوں پر بار بار حملے ہو رہے تھے۔ حضورِ اکرم ؐ نے مناسب سمجھا کہ ان غطفانی ڈاکوؤں کا پیچھا کیا جائے۔ یہ چہار شنبے کا دن ربیع الاول کی چار تاریخ اور ہجرت کا چھٹا سال تھا۔

اِدھر مسلمان لٹیروں کا پیچھا کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ اُدھر تنِ تنہا اسلام کا جیالا فرزند سلمہؓ

بن اکوع دشمنوں کے پاس پہنچ گیا۔ خیبر کی سڑک پر ایک جگہ لٹیرے پانی کے ایک کنوئیں کے پاس رُکے ہوئے تھے اور جانوروں کو پانی پلا رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز گونجی۔

میں اکوع کا بیٹا ہوں — آج کا دن سخت جنگ کا دن ہے۔

غطفانیوں نے پلٹ کر دیکھا، ایک شیر دل مجاہد تیر جوڑے کمان تولے للکار رہا تھا۔ حضور اکرمؐ مجاہدوں کو لے کر نکلے تو مدینے سے تھوڑی دور پر ملاحظہ فرمایا کہ آگے آگے بہت سے اونٹ ہیں اور پیچھے پیچھے ایک آدمی انہیں ہانکتا مدینے کی طرف چلا آرہا ہے۔ آپؐ رک گئے۔ اونٹوں کا گلہ پاس آیا تو معلوم ہوا اپنے ہی اونٹ ہیں۔ اتنے میں حضرت سلمہؓ بھی آگئے۔ اور چادروں کا ایک ڈھیر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے رکھ دیا۔ آپؐ نے پوچھا —— یہ کیا ہے؟ تو عرض کیا —— یارسول اللہ! تیر پر تیر چلا کر میں نے دشمن کو بھگا دیا —— تیروں کی بارش نے انہیں ایسا بدحواس کیا کہ یہ لٹیرے اپنی چادریں تک چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں انہیں سمیٹ کر اٹھا لایا ہوں۔

کل تیس چادریں تھیں اتنے سارے آدمیوں سے یکا وتنہا ابن اکوع نے مردانہ وار مقابلہ کیا تھا۔ وہ بھی پیشہ ور ڈاکوؤں سے! سب نے بے اختیار ان کی تعریف کی۔ اتنے میں سلمہؓ نے عرض کیا —— یارسول اللہ وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ چلئے پیچھا کریں وہ لوگ مل جائیں گے۔

ارشاد ہوا —— اکوع کے بیٹے! تم نے دشمن پر قابو پا لیا —— اب انہیں معاف کردو —— یہ رحمت عالم کا شیوۂ خاص تھا۔

ارشاد نبویؐ کے مطابق مسلمان —— مدینے کو لوٹ گئے۔ بہادر جو پیدل ہی دشمن کے مقابلے پر نکل کھڑا ہوا تھا، اب اس کی بہادری کا صلہ ملا۔ مجاہد مدینے لوٹے تو مسلمان استقبال کے لئے گھروں سے نکل آئے۔ دیکھا حضور اکرمؐ نے بہادر کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا رکھا ہے ؎

یہ تعظیم اللہ اللہ اس صنم کی
جھکی پڑتی ہیں محرابیں حرم کی

ٹنڈر نوٹس

سربمہر ٹنڈر بابت تعمیر کچی دیوار بمطابق درج ذیل پیمائش اندرون وارسک کالونی تاریخ ۸۵-۴-۱۰ (۲ بجے بعد دوپہر) زیردستخطی کو مطلوب ہیں۔

پیمائش دیوار (۱) لمبائی ۳۰۰ فٹ

(۲) اونچائی ۶ فٹ

(۳) موٹائی (بنیاد) ۲ فٹ

موٹائی (بالائی سرا) ۱ فٹ

(دیوار کی موٹائی اونچائی کے ساتھ بتدریج کم ہوتے ہوتے ایک فٹ رہ جائیگی)

(۴) دروازے برائے داخلہ

کام ۲۰ دن کے اندر اندر کرنا ہو گا

ٹنڈر مورخہ ۸۵-۴-۱۱ بوقت ۱۱ بجے قبل از دوپہر رائے دہندگان یا ان کے نمائندوں کے سامنے کھولے جائیں گے۔

زرضمانت بطور کال ڈیپازٹ مبلغ ۱۰,۰۰۰ روپے

مزید معلومات کے لئے زیردستخطی سے رجوع کیا جائے۔

مورخہ ۳۰-۳-۸۵

دوست محمد خان

ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریٹر افغان مہاجرین پشاور
شامی روڈ۔ پشاور کینٹ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
ترجمہ: عبداللہ حسنی ندوی

تجربات کا نچوڑ

عزیزو اور دوستو!

میں نے تاریخ کے صفحات کی بھی رہ نوردی کی ہے اور ملک ملک بھی پھرا ہوں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں نے دونوں سفر طے کئے ہیں۔ تاریخ کا سفر مطالعہ کی راہ سے طے کیا ہے۔ اور اسلامی ممالک کا سفر مختلف ملاقاتوں اور زیارتوں کے لئے کیا ہے۔ مجھے حق ہے کہ میں اب آپ کے سامنے اپنے تجربات کا نچوڑ اور اپنے دل کی دھڑکنیں رکھ دوں۔ اور کچھ باتیں صاف صاف آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ عربی کی مثل ہے کہ پیش رو اپنے لوگوں سے غلط بیانی نہیں کرتا۔ میں کچھ نہیں ہوں۔ میں تو آپ کا پیش رو ہوں۔ اور الحمد للہ عقیدہ و ایمان کی بنیاد پر پورے عالم اسلامی کا پیش رو اور عالم عربی کا بھی پیش رو ہوں۔ کیونکہ تہذیب و ثقافت، زبان و ادب اور حسب و نسب کی راہ سے بھی میرا اس سے گہرا تعلق ہے کم از کم پیش رو کے ذمہ جو کام ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے قابل اعتماد ساتھیوں اور جملہ دوستوں، جنھوں نے ہی اس کو یہ ذمہ دار سونپی ہے، کے سامنے کسی حقیقت کو بھی بیان کرنے سے گریز نہ کرے۔

میرے محترم بھائیو!

میں اپنی گفتگو کا آغاز ایسے کلمہ سے کر رہا ہوں جو تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے وہ ایسا پر از حکمت اور بلیغ کلمہ ہے کہ جس کی مثال دور دور تک صدیوں میں نہیں ملتی۔ وہ کلمہ فاتح مصر صحابی جلیل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زبان فیض ترجمان سے ادا ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مصر فتح کرنے کی سعادت بخشی اور حقیقت میں اس کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنے اور اس کے خوشگوار سایہ میں لانے کی دولت عطا فرمائی۔ اور ان کے مبارک ہاتھوں وہ مہم سر ہو گئی جو دوسرے فاتحین ہی سے سر نہ ہوئی تھی۔ کیوں کہ اس ملک کی ایک طویل تاریخ ہے۔ تہذیب و تمدن کی بھی۔ حکومت اور بادشاہت کی بھی۔ وہاں ایسے حکمراں بھی ہوئے ہیں جن کا تذکرہ کرکے قرآن مجید نے ان کو دوام بخش دیا ہے انہی میں سے فرعون بھی ہے۔ جب حضرت عمرو بن العاص نے اپنے ہم رکاب مسلمانوں کے ساتھ مصر فتح کیا تو اس وقت ان کو پورا حق تھا کہ وہاں کی سیاسی حالت، وہاں کی اسٹرٹیجی اور جغرافیائی کیفیت پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہتے کیونکہ مصر اپنی پوری خیر و برکت، اپنی شادابی، پیداوا

اور تہذیب و تمدن سمیت زیر نگیں آ چکا تھا۔ آپ سب ہی واقف ہوں گے کہ مصر ان خوش نصیب ملکوں سے ہے۔ جس نے عربی زبان مادری زبان بنالی اور عربی رسم الخط اور عربی اسلامی تہذیب کو اپنا رسم خط اور اپنی تہذیب تسلیم کر لیا۔ اور اس کے پورے قرائن موجود تھے کہ مصر عنقریب اسلامی امپائر کا ایک جزو ہو جائے گا۔ نہ کوئی ایسی خطرہ کی گھنٹی بج رہی تھی اور نہ مصر کے انجام میں شک و شبہ کیا جا رہا تھا۔ اگر ان کی جگہ جیسا کہ تاریخ یں ہے۔ دوسرے فاتحین ہوتے تو اپنے لشکر کی تعریف و توصیف میں ان کی زبانیں تھک چکی ہوتیں اور ان کی جوانمردی اور غیر معمولی پن کو بیان کرتے کرتے ان کے الفاظ جواب دے چکے ہوتے اور تاقیام قیامت ان کو سکون و اطمینان کا مژدہ سنایا جا چکا ہوتا اور اس عظیم الشان فتح میران کو مبارک بادیوں کے تحفے دیئے جاتے اور ان سے بآواز بلند کہہ دیا جاتا

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

نیل کا پانی ہے اس کے سرابہار سایوں سے لطف اندوز ہو۔ اور جہاں چاہو سیر و تفریح کرو۔ عمدہ عمدہ محل کھڑے کرو۔ گھر والوں کی طرح، گھر کے مالکوں کی طرح رہو سہو۔ اور اطمینان رکھو کہ مصر اب ہمارا ہو چکا ہے اب خطرہ اور خوف کا گذر نہیں۔

لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس مرد مجاہد فاتح زمان جو ذات نبوی کی صحبت و بابرکت سے فیض یاب ہو چکا تھا اور -- کو حکمت و دانائی اور سچی فراست ایمانی الغا کی جا چکی تھی جس کے بارے میں ارشاد نبوی ؐ تھا۔

"مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور کے ذریعہ دیکھتا ہے"

کیا کہا سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے "تم ہمہ وقت پہرہ داری پہ ہو دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے اور ان کے دلوں کے تمہارے طرف میلان کی وجہ سے"

انہوں نے فرمایا۔ راحت کے طریقے نہ اختیار کرنا۔ نہ ہتھیار رکھنا۔ اور نہ یہ تصور کرنا کہ تم جہاد کا غبار جھاڑ چکے تم کو ہر وقت چوکنا رہنے اور پہرہ دینے کی ضرورت ہے۔ تم دشمن کے نرغے میں ہو جس طرح دانتوں کے درمیان زبان ہوتی ہے۔ تمہاری مٹھی بھر جماعت ہے۔ تم براعظم افریقہ کی تہذیب و تمدن اور اس کے مذہبوں اور مختلف النوع جنسوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں ایک ہلکا سا نشان ہو۔ تمہارے لیے کسی طرح زیبا نہیں کہ راحت کو اپناؤ اور عیش و عشرت کی مسہریوں پہ فاتحین کی نیند سو جاؤ۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت کی تھی جو حرز جان بنانے کے لائق ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اسے یاد رکھیں۔ اس سے روشنی حاصل کریں اور اس کو زندگی کا دستور العمل بنالیں۔ فاتح قوموں اور حکمران خاندانوں کی یہ بڑی آزمائش ہے۔ کہ ان کی زندگی کا ابتدائی دور محنت و مشقت۔ تقشف و سرفروشی، شہسواری و جانبازی کا ہوتا ہے۔ (کبھی یہ زمانہ طویل ہوتا ہے اور کبھی بہت تھوڑا) اور اخیر دور ڈھیلا پن و نزاکت

رجولیت و مروت کے فقدان کا ہوتا ہے۔ حکومتوں اور فتوحات کے قصے دو لفظوں میں یوں سمجھا جا سکتا ہے ع

سیلِ دستان اوّل، جنگ در بابِ آخر

یہ قصہ ان تمام حکومتوں کا ہے جن کی بنیاد سرفروشی کی تمنا لئے، سر ہتھیلی پر رکھے، زاہد و جوانمرد جوان ہوتے ہیں لیکن ان حکومتوں کی انتہا کیا ہوتی، انتہا ایسے حکمرانوں پر ہوتی ہے جو عیش و عشرت میں ڈوبے، شہوت و لذت کے مارے اور نفس و شیطان سے ہارے ہوتے ہیں۔ کھانے پینے کا ان پر بھوت سوار ہوتا ہے۔ کھیل تماشے کے دلدادہ ہوتے اور نغمہ و سرود کی محفلوں کا ان کو جنون ہو چکا ہوتا ہے۔ اس حکیم و دانا، قائد و سربراہ سیدنا عمرو بن العاص نے نصیحت کرتے ہوئے عرب فاتحین کو مخاطب کیا تھا کہ اچھی و خوشنما سواریوں کے چکر میں نہ پڑنا۔ عشرت کدوں میں مشغول نہ ہونا اور لذیذ لذیذ کھانوں کے فریب میں نہ آنا۔ گویا انہوں نے ان سے یہ کہا کہ الف لیلہ کی زندگی کو نہ دہرانا۔ بلکہ محنت و مشقت، سخت کوشی اور شتر سواری اور شہسواری والی زندگی گذارنا۔

میرے بھائیو!

دسویں صدی ہجری کی سب سے بڑی ایمپائر ہندوستان کی مغل سلطنت کی تاریخ پڑھئے جو خلافت عثمانیہ کے بعد سمجھی جاتی تھی۔ اس کی ابتداء ظہیر الدین بابر سے ہوتی ہے اس کی ہیبت و قوت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے دائیں بائیں کاندھوں پر ایک ایک آدمی کو لے کر ایک اونچی فصیل پر ٹہلا کرتا تھا۔ جب حکومت منتقل ہو کر اس کے بیٹے ہمایوں کو ملی۔ تو اس کے اندر کچھ نہ کچھ ہمت و جوانمردی کے جوہر موجود تھے۔ لیکن شاہی انداز و ٹھاٹ آچلا تھا۔ پھر اس کا بیٹا جلال الدین اکبر تخت نشین ہوا۔ اس کے اندر بھی وہ صفات موجود تھیں وہ فوج و لشکر کی قیادت بذات خود کرتا تھا پھر اس کے بیٹے نور الدین جہانگیر کے ہاتھ میں باگ ڈور آئی۔ تو اس کے اندر عیش پسندی کافی حد تک پیدا ہو گئی تھی۔ پھر آگرہ کے تاج محل کا بانی شہنشاہ شاہجہاں کے بعد اس کا ہونہار و لائق فرزند جلوہ آرائے مسند سلطنت ہوا۔ وہ ایک غیر معمولی شہسوار، شمشیر زن کا قائد اور زاہد شب زندہ دار تھا۔ بعض مورخین نے اس کو خلفائے راشدین کے چھٹویں نمبر پر رکھا ہے۔ اس کے بعد حکمران خاندان میں کمزوری اور ڈھیلا پن پیدا ہو گیا۔ عیش و عشرت کی جگہ بنالی۔ اور لطف اندوزی و راحت پسندی کے ایسے افسانے سامنے آئے جو خواب و خیال معلوم ہوتے تھے۔ انسان کے لئے اس خیالی آرائی اور دقیقہ رسی کی تصدیق مشکل معلوم ہوتی ہے۔ عیش و عشرت کے انداز، نغمہ و سرود سے فریفتگی ان کو لے ڈوبی اور تخت شاہی و سلطنت ہمائی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اے میرے عزیز بھائیو!

آپ اس خطہ زمین میں رہ رہے ہیں جس کی طرف (چند اسباب کی بناء پر جس کو میں اس وقت نہیں بیان کر سکتا) نظریں لگی ہوتی ہیں۔ آپ ایسے خطہ ارضی کے باشندہ ہیں جہاں دشمنوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا ہے کہ اس کو

اس کے پیغام سے ناآشنا کر دیں۔ اس کے عربی اسلامی تشخص کو مٹا دیں، اور اس کو عالم اسلام کی قیادت سے محروم کر دیں۔ یہ تاریخ کی سب سے زیادہ گھناؤنی و خطرناک سازش ہے۔ تمام قومیں اپنے اختلافات کے باوجود بلکہ بعض اوقات متضاد نظریات رکھنے کے باوجود اس رائے پر متفق ہیں کہ جزیرۃ العرب کی حیثیت و مقام ختم کرنا ہے اور اسلام سے اس کا رشتہ منقطع کرنا ہے۔ یہ باتیں میں آپ سے ایسے پیغمبر کی طرح کہہ رہا ہوں جو اپنے لوگوں سے غلط بیانی نہیں کرتا۔ ایسے شخص کی طرح جو یورپ و امریکہ کو دیکھ چکا ہے۔ مستشرقین کی کتابوں سے واقف ہے۔ اور جو جو شائع کیا جاتا ہے یا لکھا اور کہا جاتا ہے اس سے باخبر رہتا ہے۔ پھر میں آپ سے اپنی معلومات کی روشنی میں اور اپنے مشاہدات کی روشنی میں یہ کہتا ہوں۔ جزیرۃ العرب کی باہر کی دنیا اور غیر حکومتیں اور قومیں ہی جزیرۃ العرب پر وار نہیں کر رہی ہیں بلکہ آپ مخالف اسلام دعوتوں و تحریکوں اور ان طاقتوں و قوتوں کے نرغہ میں ہیں جن کا خمیر اسلام کی منافرت پر اٹھا ہے۔ اور ان کے فلسفہ سے اور اسلامی تشخصات سے کوئی جوڑ نہیں۔ آپ کے پیغام کی حقیقت اور عالم اسلام میں آپ کی مرکزیت سے ان کو بیر ہے، آپ ان کے حلق سے اترتے نہیں اس لئے آپ کو کسی طرح یہ زیب نہیں دیتا کہ لطف اندوزی و راحت پسندی کو اپنائیں اور عشرت کدوں میں بیٹھ کر داد عیش دیں۔ میں آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ عیش و عشرت کا افراط حکومتوں کو ختم کرنے، تہذیب و تمدن کا نشان مٹانے اور معاشرے کو ملیامیٹ کرنے کا سب سے بڑا عامل (FACTOR) ہے۔ قرآن مجید اس کی مذمت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وإذا أردنا أن نهلك قرية أمرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا۔

"مترفون" کا لفظ قرآن مجید میں بار بار کئی جگہ آیا ہے۔

كم أهلكنا من قرية بطرت معيشتها فتلك مساكنهم لم تسكن من بعدهم إلا قليلا وكنا نحن الوارثين۔

"ترف و بطر" (عیش و عشرت اور حق سے چشم پوشی و اترانا) وہ تہذیبی و نفسیاتی اور اخلاقی عوامل ہیں جو طویل العمر حکومتوں کا اور ترقی یافتہ تہذیب و تمدن کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ سادہ زندگی پھر اختیار کریں۔ اور کچھ تقشف کو بھی اپنائیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ بالکل دیہاتی ہو جائیں اور اونٹ کا گوشت کھائیں اس کا دودھ استعمال کریں۔ اور اللہ کی عطا کردہ کسی نعمت سے متمتع نہ ہوں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میں رہبانیت کی دعوت نہیں دیتا۔ اسلام میں رہبانیت کا کوئی گذر نہیں اور نہ میں غیر فطری تقشف کی دعوت دیتا ہوں۔ بلکہ کچھ تقشف، کچھ سادگی کی دعوت دے رہا ہوں۔ آپ ان بندشوں کی عادتوں سے آزاد ہوں جن کے بغیر زندگی آپ نے ناممکن بنالی ہے میں آپ کی ایک ایک عادت اور ایک ایک پسند (HOBBY) کی نشان دہی کر کے میں اپنی عام اصولی بات کی قدر و قیمت

گھٹانا نہیں چاہتا۔ اس کو میں آپ کی فہم و فراست، معاشرہ سے آپ کا لگاؤ اور اس کی طرف آپ کے قلبی رجحان چھوڑتا ہوں۔ کہیں یہ عادتیں واطوار، یہ ناز و انداز آپ کو اپنی زلف کا اسیر نہ بنالیں۔ اور آپ کو اپنے دام میں گرفتار نہ کرلیں۔ جو قومیں ایجابی و تعمیری پہلو سے اہم رول ادا کرتی ہیں اور تاریخ کے گہرے نقوش چھوڑتی ہیں وہ اپنی عادتوں کا شکار نہیں ہوتیں۔ اور نہ عیش و عشرت کی آخری حدود کو چھوتی ہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جو اس امت کے مربی اور شفیق باپ کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا ارشاد ہے۔

تمعددوا واخشوشنوا وانزوا علی ظهور الخیل نزوا۔

آپ پر واجب ہے کہ اللہ کی کثیر نعمتوں پر شکر بجالائیں اور سپاس گزار ہوں اور ان نعمتوں کی قدر کریں لیکن زندگی کو ایسا نرم و نازک نہ کردیں کہ کسی محنت و مشقت کا سامنا نہ کرسکیں۔

میرے بھائیو! یہ الف لیلیٰ کا زمانہ نہیں، یہ خیال آرائی کا دور نہیں۔ یہ بڑی بڑی طاقتوں کے درمیان اور نتیجہ و انجام مقرر کرنے والے بلاکوں کے درمیان کشمکش کا دور ہے۔ آپ شیر کے دو جبڑوں کے درمیان ہیں۔ آپ چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں ہیں آپ ۳۲ دانتوں کے درمیان ایک زبان ہیں۔ آپ کو اس دور کا، اس جگہ کا، اس صورت حال کا اور اس تلخ حقیقت کا محاسبہ کرنا ہوگا۔

یہی بات مجھے عرض کرنی تھی میں آپ کے اعتماد کو اور زیادہ بڑھا سکتا تھا کہ آپ خوش و خرم یہ کہتے ہوئے اپنے ٹھکانوں کو واپس جائیں کہ شیخ نے بڑی عمدہ خوشخبریاں سنائیں، شوق انگیز قصے اور جوش پیدا کرنے والی حکایتیں سنائیں بھائیو! یہ امانت داری نہیں ہے۔ آپ کی جو عزت افزائی مجھے حاصل ہوئی اس کا بھی یہ تقاضا تھا کہ میں صراحت سے کام لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیوں پہلے فرمایا تھا کہ

" ویل للعرب من شر قد اقترب"

تو یہ تو فتنوں اور سازشوں کا دور ہے۔ اسلام دشمنی کا دور ہے۔ دلفریب مادیت، فکری ارتداد اور عقیدہ کے انحراف کا دور ہے۔ تم اس امانت کے امین، اس ورثہ کے وارث، علمائے ربانی اور اولیائے کرام کے جانشین اور صاف پسند حکمرانوں کے نائب رہے ہو۔ اس لئے تم پر یہ لازم ہے کہ اس امانت کی پاسداری کرو اس پر پوری نظر رکھو اور تمہارے اردگرد جو حالات ہیں انہیں دیکھتے رہو۔ سیاسی صورت حال، دعوتی نشیب و فراز، اصولی اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتے رہو۔ جس کا تم کو بھی سابقہ ہے اور پورے یمن کو اور پورے جزیرۃ العرب کو۔

میں آپ کو مبارک دیتا ہوں کہ اللہ نے آپ کے لئے ایسی خوشگوار سرزمین کا انتخاب کیا۔ آپ اس کی حمد و ثنا کریں اور نعمت بے بہا کا شکر ادا کریں اور اس وراثت کے اہل بنیں۔ اس امانت کے اہل بنیں اور اس ذمہ داری کے اہل بنیں ؂

مولانا عبدالقیوم حقانی ناظم مؤتمر دارالعلوم حقانیہ

محدثوں، انسانوں، چرواہوں، دستکاروں، صنعتکاروں، تاجروں، کامگیروں، پارچہ بافوں، پارچہ فروشوں، درزیوں، دھوبیوں، دواسازوں، قصابوں، حلوائیوں، آٹا پیسنے والوں، صابون سازوں اور عطاروں، فروشوں، صیقل گروں، شیشہ گروں، لوہاروں، بڑھئیوں، لکڑہاروں، شکاریوں اور مزدوروں سے تعلق رکھنے والے علماء فقہاء اور محدثین، مفسرین اور ائمہ اسلام۔

یومیہ معمولاتِ تدریسی مشاغل اور متنوع مصروفیات کے باوجود دارالعلوم حقانیہ کے عظیم الشان اور وسیع کتب خانہ میں متعلقہ کام اور حوالہ جات کی تخریج وغیرہ کے علاوہ بھی علمی سیر و تفریح نادر و نایاب کتابوں کی زیارت اور تعارف و مطالعہ کتب کے لئے کم سے کم یومیہ دس منٹ کی گنجائش نکال لیتا ہوں اور اپنے حد تک کوشش رہتی ہے کہ ہمیشہ اس معمول میں ناغہ اور فرق نہ آنے پائے۔

یوں تو ذاتی اور معلوماتی حد تک اس کے بے شمار فوائد سے بھی حاصل ہوئے تاہم دارالعلوم سے نسبت نظامت کے لحاظ سے احقر کو ایک سعادت یہ بھی حاصل ہوئی کہ بیرون ملک اور ملک کے اطراف و جوانب سے علمی و مطالعاتی اور کتابی ذوق رکھنے والے کثرت سے آنے والے اضیاف علماء اور فضلاء اور سکالروں کے وفود جب دارالعلوم حقانیہ تشریف لاتے ہیں تو استاذی و استاذ العلماء محدث کبیر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ایما سے مجھے دارالعلوم کے وسیع اور عظیم کتب خانہ میں اہم علمی نادر و نایاب کتابوں اور قلمی مخطوطات اور ان کے مصنفین اور دیگر متعلقات سے واردین و صادرین اور ناظرین و سامعین کو محظوظ اور متعارف کرانے میں کوئی حجاب آڑے نہیں آتا۔ اور اب تعارف کی حد تک شاید ہی کتب خانہ کی کوئی کتاب ایسی ہو جو نظروں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے رہ گئی ہو۔

کتب خانہ کے نچلے اور بالائی دونوں حصوں میں چاروں طرف مختلف علوم و فنون کی ہزاروں کتابیں ترتیب سے

الماریوں میں رکھی ہوئی ہیں۔ کتب خانہ کے وسیع ہال کے مغربی جانب لائبریری کا دفتر ہے۔ جس میں کتب خانے کے دو ناظم کتابوں کے اندراج و ترتیب اور کتب خانہ سے متعلقہ امور انجام دیتے ہیں۔ دفتر کے مشرقی جانب کھڑکی کھول کر جب کتب خانہ میں داخل ہونا پڑے تو کھڑکی کے شمال مشرقی دیوار کے ساتھ جانب مغرب سے علوم کے ترتیب کے لحاظ سے علم التفسیر کی الماریاں لگی ہوئی ہیں پھر علم الحدیث کی، اسی طرح ترتیب سے جانب مشرق اور دیگر اطراف میں جگہ جگہ کتابوں سے بھری ہوئی الماریوں کے اوپر مختلف علوم و فنون کے چھوٹے چھوٹے تعارفی کتبے لگے ہوئے ہیں۔

مشرقی جانب آخری حصے پر "الموساعات" کے ساتھ والی ایک دوسری الماری پر "علم الانساب" کا کتبہ آویزاں رہتا ہے۔ اس الماری کی کتابیں بھی حسب عادت جب موقع ملا الٹتا پلٹتا رہا۔ مگر ایک کتاب جو اس حصہ میں سب سے زیادہ نمایاں حجم میں فائق، اعلیٰ طباعت اور سرخ رنگ کی رنگین جلد بندی کی وجہ سے سب سے زیادہ جاذب نظر رہی بارہا ہاتھوں میں لی، سرورق دیکھا مصنف کا نام پڑھا، دیباچہ میں مصنف کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ کتاب کئی بار ہاتھوں میں الٹتی پلٹتی رہی۔ مگر چونکہ کتاب قلمی تحریر (قدیم شکستہ طرز کی خط نویسی) کا فوٹو اور عکس ہے۔ اس لئے [illegible] خ کے ایک علمی ذخیرے ایک معتد بہ اور مستند حصے جسے علامہ ابوسعید عبدالکریم بن محمد السمعانیؒ نے کتاب الانساب کے نام سے ایک ہزار چھ صفحات میں محفوظ کر لیا ہے اس کے مطالعہ و استفادہ اور فیض و برکت سے محروم رہا۔

مگر اس مرتبہ (۲۹ جنوری ۸۵ء) جب کتب خانہ کی سیر کے دوران، حسب عادت کتاب اٹھائی حسین و رنگین طباعت اور اعلیٰ جلد بندی کی وجہ سے کتاب جاذب نظر تو پہلے سے تھی ہی، اٹھائے بغیر بنتی نہیں، کھولی تو پھر وہی شکستہ خط جسے دیکھ کر دل برداشتہ ہو جاتا۔ مگر اس دفعہ کتاب کھولی کہ اچانک ایک صفحے پر نظر جم گئی ورق کا نمبر ۱۴۰ ہے۔ بڑی سائز کے اس صفحے کے وسط میں جلی حروف کے ساتھ "باب الحاء والذال الحذاء" لکھا ہوا ہے۔ عربی میں الحذا جوتا بنانے والے کو کہتے ہیں۔ الحذاء کی اس فہرست میں علامہ سمعانیؒ کے ارشادات پڑھتا اور دل کے کانوں سے سنتا جا رہا تھا ادھر ع

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

کے پیش نظر قلب پر اللہ کے فضل و کرم اور احسان و امتنان کے نقوش ثبت ہو رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی عظمتیں بھی پتھر کی لکیر بن کر دل پر ثبت ہوتی چلی گئیں۔ کہ اسلام علاقائی، نسلی اور خاندانی تعصبات سے بالاتر ہو کر سب کو نوازتا ہے جو جتنی زیادہ اللہ کی راہ پر چلتا ہے اتنا زیادہ سمجھالا اور نوازا جاتا ہے اسلام کے دامن نے کتنوں اور کیسوں کو سلامتی کی پناہ سے نوازا۔ کتنے بے کسوں بے یار و مددگار اور گرے ہوئے لوگوں کو ذلتوں سے اٹھا کر عزت کی عظمتوں تک پہنچایا۔

علامہ سمعانیؒ کی بیان کردہ اس فہرست سے معلوم ہوتا جا رہا تھا کہ اسلام نے موچیوں کے طبقہ اور پیشہ سے تعلق رکھنے والے حضرات کو بھی اسلامی علوم وفنون سے پورا پورا حصہ دے کر بہرہ ور فرمایا اور انہیں علم و فضل کی عظیم مسندوں پر جلوہ گر فرمایا۔

علامہ سمعانی کی اس تحریر کے پس منظر میں ان کی روح بولتی نظر آ رہی تھی میں نے اس مجلس کو غنیمت سمجھا اور پوری توجہ سے ان کے ارشادات پر ہمہ تن گوش ہو گیا۔

علامہ سمعانیؒ نے الحذاء کے عنوان سے علماء کی ایک جماعت کا ذکر چھیڑ دیا جو نسل اور پیشہ کے لحاظ سے موچی تھے۔ مگر اپنی فطری استعداد اور فنی صلاحیت سے ان حضرات نے علوم دینیہ کی قبا میں آفتاب کی کرنیں لگائیں ان جفت ساز علماء کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے شاہراہ دین پر چلنے چلانے کے لئے اکابر امت اور اسلاف کی ایک بڑی جماعت کے پائے عزم کو ثبات، استقامت اور بڑی استواری بخشی۔ اسلام نے دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ نسل، قوم، ذات برادری طبقہ اور پیشہ کوئی چیز نہیں ہے۔

اصل چیز اسلام اور تقویٰ کی راہ ہے۔ جو بھی اس راہ سے آیا کامیاب رہا جس نے یہ راستہ چھوڑ دیا وہ ناکام ہو گیا۔ علامہ سمعانی نے اسی ملاقات میں متعدد تاریخی شخصیتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد بن سیرین جیسے جلیل القدر تابعی کے علمی کمالات اور علم حدیث، ابن علم بصری کا مرہون منت ہے کہ ابن سیرین نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ اور حضرت ابن عمر نے، جابر حذار (موچی) سے علم حدیث کی تکمیل کی گویا ابن سیرین کے دادا استاد، ایک عظیم محدث ہوتے کے ساتھ ساتھ نسل اور پیشہ کے لحاظ سے موچی تھے۔

ان کے علاوہ علامہ سمعانیؒ نے حذاءں (موچیوں) کی اس طویل فہرست میں علامہ عبداللہ بن عبدالرحمن حذار محمد بن سالم حذا، کثیر بن عبید دسطی حذا، یحییٰ المتوکل حذا، عاصم بن سلیمان حذا جیسے محدثین فقہا اور ائمہ فن کا تذکرہ بھی کیا۔ جو اپنے زمانے کے مشاہیر ائمہ دین اور علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔

جوں جوں ورق الٹتے اور صفحات کھلتے گئے۔ علامہ سمعانی کی اس کتاب میں مختلف پیشوں اور طبقوں سے تعلق رکھنے والے علماء دین اور ائمہ اسلام کے حیرت انگیز حالات سامنے آتے گئے چرواہوں سے تعلق رکھنے والے علماء کے حالات سے تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ہمارے اسلاف اور اکابر نے اپنے دور میں چراگاہوں اور جنگلوں اور میدانوں کو علوم نبوت کی کھلی ہوئی یونیورسٹی بنا دیا تھا جس میں مزدور کار، کاشتکار اور چرواہے تعلیم پاتے تھے۔

علامہ سمعانی کے قائم کردہ اس تاریخی روزن سے جب مسلمانوں کا ماضی سامنے آتا گیا تو حیرت و استعجاب کی حد نہ رہی کہ مسلمانوں میں علم کا ذوق اس قدر زیادہ اور قابل رشک تھا کہ اونٹوں کے چرواہے میدانوں اور

ریگستانوں میں اونٹوں کے چرانے کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی تحصیل کر رہے ہیں۔

چند صفحے آگے چلا تو اسی کتاب میں علامہ سمعانی نے علماء کی ایک ایسی جماعت کا تذکرہ بھی کیا جو نسلاً اور عملاً کسان تھے مگر اشاعت و تحصیل علم کا ذوق غالب تھا۔ ان کے کھیت اور باغ بغیچے ان کے علمی ذوق کی وجہ سے اسلامی مدارس اور مکاتب بن گئے تھے۔ یہ بجا ہے کہ انہوں نے اپنی مادی غذا اور معاش و دنیوی ضرورت کے لئے اپنی جائیداد، باغات اور زمینوں کی کاشت و نگہداشت کی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنی اور امت کی روحانی غذا اور اخروی فلاح کے لئے علم دین کی کاشت و نگہداشت کا ذمہ بھی لے لیا تھا وہ اپنی کھیتی کی آبیاری کے ساتھ ساتھ علم دین کی آبیاری بھی کرتے تھے۔ اور جہاں دونوں میں معارضہ اور تقابل پیش آجاتا تو وہاں ذاتی کام رکاوٹ نہ بننے پاتا۔ اور ہمیشہ علمی کام کو ترجیح دی جاتی۔ علامہ سمعانی نے جس انداز سے نقشہ کھینچا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے۔ حقیقت سے سرِ مو بھی مبالغہ نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے کھیتیں کی سرسبزی و شادابی کی طرح ان کے علم کا کشت زار بھی سدا بہار رہتا تھا۔

کیف ما اتفق ورق پلٹے تو ورق ص ۴۷۵ کی پشت پر جلی حروف کے ساتھ " قصار " لکھا ہوا تھا۔ قصار عربی زبان میں کپڑے کی دھلائی کرنے والے دھوبیوں کو کہتے ہیں۔ اسلام کی فیاضی، وسیع النظری وسعت اور علم پروری کا اس سے اندازہ لگائیے کہ دھوبیوں کے طبقہ اور پیشہ سے تعلق رکھنے والوں تک اسلام نے علم دین کی لازوال دولت پہنچائی۔ صرف یہ نہیں اگر آپ علامہ سمعانی کی اس فہرست کو ملاحظہ کریں جس میں انہوں نے دھوبیوں میں علم اور علماء کا تذکرہ فرمایا ہے۔ تو آپ کو اس زمانہ کے دھوبیوں میں صرف رسمی مسلمانی یا اسلام کی محض رسمی نشانی نظر نہیں آئے گی بلکہ اس جماعت میں بھی بڑے بڑے علماء فقہاء اور محدثین پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے ظاہری اور باطنی کثافتوں کو اپنے علم و معرفت کے آب مصفا سے دھو کر ختم کیا اور انسانیت کو علم و دیانت کا صاف اور شفاف لباس عطا فرمایا۔ یہ بزرگ کون اور کیا تھے اور کن حضرات سے انہوں نے علم حاصل کیا تھا علامہ سمعانی کی بیان فرمودہ فہرست سے چند ایک کا اجمالاً ذکر کرتے ہیں۔

علامہ ابو حازم **قصار**، بہت بڑے عالم، متقی پرہیزگار اور بزرگ انسان تھے۔ قصار کے لقب سے مشہور تھے کہ دھوبیوں کا کام کرتے تھے، معاویہ بن ہشام قصار علم و فضل کے ایک روشن ستارے تھے۔ امام سفیان ثوری اور امام مالک سے علم نبوت کی تحصیل کی تھی۔ علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن عبداللہ قصار الاصفہانی کا لقب قصار (دھوبی) اس لئے پڑ گیا تھا کہ آپ ورع، زہد، تقویٰ، خدمتِ خلق اور اتباع سنت کے جذبے سے مُردوں کو غسل دیا کرتے تھے۔ ان کے درس اور تلامذہ کا حلقہ بھی وسیع تھا۔ تمام عمر درس حدیث پڑھاتے رہے بلکہ آخر عمر تک اشتغال بالحدیث اور اشاعتِ حدیث کے ساتھ ساتھ مُردوں کے غسل اور کفن کا کام بھی کرتے

رہے۔ ۳۶۷ھ میں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی نظر سے معذور ہوگئے۔ ۱۴۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آج علامہ سمعانی کی تحریر فرمودہ کتاب ،،کتاب الانساب،، کی شکستہ قلمی طرز خطی سے انس اور مضامین تجسس کا قوی داعیہ پیدا ہوگیا تھا۔

جگہ جگہ سے دیکھا ہر طبقہ اور ہر پیشہ سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کا علم دین کو اپنی میراث سمجھ کر اس کی تحصیل واشاعت میں زندگیاں وقف کردینے کی عجیب حیرت انگیز مثالیں سامنے آتی ہیں۔

کتاب الانساب کی شکل میں علامہ سمعانیؒ کی اس ملاقات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی کوئی پیشہ اختیار کیا، کوئی روزگار کیا یا کوئی کام کیا، وہ علم دین سے جدا نہیں ہوتے۔ بلکہ معاشی کاروبار کے ساتھ علمی کاروبار جاری رکھ کر یہ ثابت کردیا کہ کسب معیشت کے ساتھ علم دین سے واقفیت بھی ضروری اور ممکن ہے۔

موچیوں، کسانوں اور چرواہوں، دست کاروں، صنعت کاروں، تاجروں، کاریگروں، پارچہ بافوں، پارچہ فروشوں، درزیوں، دھوبیوں، روغن سازوں، قصابوں، حلوائیوں، آٹا پیسنے والوں، صابون سازوں، اور صابون فروشوں، صیقل گروں، شیشہ گروں، لوہاروں، بڑھیوں، لکڑہاروں، شکاریوں اور مزدوروں، غرض دارالعلوم حقانیہ کے کتب خانہ میں علامہ سمعانی سے اس کتابی ملاقات میں مختلف پیشوں، طبقوں سے تعلق رکھنے والے علماء فقہاء، محدثین، مفسرین اور ائمہ اسلام کے عجیب اثر انگیز اور انقلاب آفریں حالات سے آگاہی حاصل ہوئی جن کی ذات پر قیامت تک اسلامی علوم اور مسلمان قوم ناز کرتی رہے گی۔ اور ان شاء اللہ آئندہ کسی مجلس میں مختلف طبقوں اور پیشوں سے تعلق رکھنے والے علامہ سمعانیؒ کے تحریر فرمودہ علماء دین اور ائمہ اسلام کے مختصر تعارفی حالات بھی نذر قارئین کئے جائیں گے۔

مولانا خلیل الرحمان قادری۔ راولپنڈی

مسئلہ نزول عیسیٰ ابن مریمؑ

ــــــــــ مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت کا تدریجی ارتقاء

نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی بابت ہم کو اُن احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا ہے جو کہ تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں اور جن کے راوی متفقہ طور پر ثقہ مانے گئے ہیں اور یہ احادیث متفق علیہ بھی ہیں۔ ان احادیث صحیحہ ہی کی بنا پر مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اپنے اسی عقیدے کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے۔

"دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی کی تھی جو اس طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان پر سے جب اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی"

(رسالہ تشحیذ الاذہان قادیان ماہ جون ۱۹۰۶ء)

"سو حضرت مسیح تو انجیل کو ناقص ہی چھوڑ کر آسمانوں پر جا بیٹھے" (براہین احمدیہ حصہ چہارم پہلی فصل حاشیہ درحاشیہ ۳ ص ۴۴۰/۳۶۱/۲۳۲۔)

"اور جب مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا" (براہین احمدیہ حصہ چہارم پہلی فصل حاشیہ درحاشیہ ۳ ص ۳۲۹/۴۹۹/۳۱۳)

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے جس عقیدے پر اجماع امت تھا۔ مرزا صاحب بھی اسی عقیدے پر قائم تھے جس کی تصدیق ان کے مندرجہ ذیل بیان سے بھی پوری وضاحت کے ساتھ ہو جاتی ہے اور کسی شک و شبہ یا تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کہتے ہیں:۔

" براہین احمدیہ میں میں نے یہ لکھا تھا کہ مسیح ابن مریم آسمان سے نازل ہوگا۔ مگر بعد میں یہ لکھا کہ آنے والا مسیح میں ہی ہوں۔ اس تناقض کا بھی یہی سبب تھا کہ اگرچہ خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ رکھا اور یہ بھی فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا نے اور رسول نے دی تھی۔ مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس عقیدہ پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر سے نازل ہوں گے اس لئے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل کرنا نہ چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا۔ لیکن اس کے بعد اس کے بارے میں بارش کی طرح وحی نازل ہوئی۔ کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا تو ہی ہے۔ اور ساتھ

اس کے صدہا نشان ظہور میں آئے ۔ اور زمین اور آسمان دونوں میری تصدیق کے لئے کھڑے ہوگئے اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کرکے مجھے اس طرف لے آئے کہ آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں۔ ورنہ میرا اعتقاد تو وہی تھا جو براہین احمدیہ میں لکھ دیا تھا۔ اور میں نے اس پر کفایت نہ کرکے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا۔ تو آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہوگیا ہے۔ اور آخری خلیفہ مسیح موعود کے نام پر اسی امت میں سے آئے گا۔ اور جیسا کہ جب دن چڑھ جاتا ہے تو کوئی تاریکی باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح صدہا نشانوں اور آسمانی شہادتوں اور قرآن شریف کی قطعیۃ الدلالت آیات اور نصوص صریحہ حدیثیہ نے مجھے اس بات کے لئے مجبور کردیا کہ میں اپنے تئیں مسیح موعود مان لوں۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹۔ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور ۱۹۵۲ء مطابق ۱۳۷۱ھ)

مندرجہ بالا بیان اس بات کی غمازی بھی کرتا ہے کہ مرزا صاحب کو اپنی مزعومہ وحی الٰہی کو یقینی ماننے میں بھی تردد ہوتا تھا۔ اور وہ اس کو حق الیقین کے درجے پر وصول نہیں کرتے تھے جو کہ ایک مامور من اللہ کی شان سے بعید ہے۔

مرزا صاحب اپنے اس بیان کی تصدیق میں کہ " خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا" مندرجہ ذیل مزعومہ الہام کو پیش کرتے ہیں:۔

یاعیسیٰ اِنّی متوفیك ورافعك الیّ وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ ثلۃ من الاولین وثلۃ من الاخرین۔

اے عیسیٰ میں تجھے کامل اجر بخشوں گا۔ یا وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا یعنی رفع درجات کروں گا۔ یا دنیا سے اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تیرے تابعین کو ان پر جو منکر ہیں قیامت تک غلبہ بخشوں گا۔ یعنی تیرے ہم عقیدہ اور ہم مشرب ہوں کو حجت اور برہان اور برکات کی رو سے دوسرے لوگوں پر قیامت تک فائق رکھوں گا۔ پہلوں میں سے بھی ایک گروہ ہے اور پچھلوں میں سے بھی ایک گروہ ہے۔ اس جگہ عیسیٰ کے نام سے بھی یہی عاجز مراد ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ چہارم باب اول حاشیہ در حاشیہ ۴ ص ۳۶۹/۵۵۷/۳۵۳)

مرزا صاحب کا یہ مزعومہ الہام سورہ آل عمران کی آیت ۵۵ کی تحریف شدہ شکل ہے۔ جس کو مرزا صاحب نے بزعم خود اپنے اوپر چسپاں کرلیا ہے اور یوں مرزا صاحب تحریف منصبی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ آیت مبارکہ درج ذیل کی جاتی ہے:۔

اذ قال اللہ یعیسیٰ انّی متوفیك ورافعك اِلیّ ومطھرك من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروآ الیٰ یوم القیامۃ ثم الیّ

مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیہ تختلفون ۰
جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں لوں گا تجھ کو اور اٹھالوں گا اپنی طرف اور پاک کردوں گا تجھ کو کافروں سے اور رکھوں گا ان کو جو تیرے تابع ہیں غالب ان لوگوں پہ جو انکار کرتے ہیں قیامت کے دن تک پھر میری طرف ہے تم سب کو پھر آنا پھر فیصلہ کردوں گا تم میں جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔

نہ معلوم مرزا صاحب نے لفظ مطہرک (تجھ کو پاک کردوں گا) کیوں حذف کر دیا ہے اس کی وجہ تو وہ خود ہی جانتے ہوں گے۔

مزید یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وفات عیسیٰ بن مریم کی خبر اللہ تعالیٰ نے مرزا صاحب کو نہیں بتائی بلکہ انھوں نے خود اپنے اجتہاد سے کام لے کر قرآنی آیات اور احادیث سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور اجتہاد میں غلطی کا بھی امکان ہے۔

پھر مرزا صاحب خود مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے آسمان پر سے نازل ہونے کی خبر احادیث میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی ہے لہٰذا اس خبر کے خلاف کسی اور خبر کی تبلیغ کرنا یقیناً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو غلط ثابت کرنا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اور بفرمان حق تعالیٰ و ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان خدا تعالیٰ ہی کا فرمان ہے۔ اور اس طرح حق تعالیٰ کے فرمان کو بھی غلط ثابت کرنا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بالفرض محال عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے آسمان پر سے نازل ہونے کی پیشگوئی کی صحت میں نعوذ باللہ کچھ احتمال تھا تو پھر اللہ عزوجل اس کی تصحیح اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہی فرما دیتا۔ کیونکہ سنت الٰہیہ یہی جاری تھی۔ کہ اللہ عزوجل انبیاء علیہم السلام والتسلیم کی کسی بھی بات کو نظرانداز نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اسی وقت اسی نبی کے ذریعہ سے اس کی تصحیح فرما دیتا تھا۔ اس وجہ سے کہ نبی کے فرمان پر اس کی امت کے عقیدہ کا دارومدار ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ عزوجل کسی نبی کو بھی کسی غلط عقیدے پر ثابت اور قائم نہیں رہنے دیتا تھا جیسا کہ نبی کا بھی فرض تھا کہ وہ اپنی امت کو کسی غلط عقیدے پر ثابت اور قائم نہیں رہنے دیتا تھا۔ چہ جائے کہ پوری امت محمدیہ کو تیرہ سو سال تک اس غلط عقیدے پر قائم رکھا گیا جو کہ اللہ عزوجل کی شان کریمی کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سو سال سے زیادہ قبل کا ہے اور جس کی اطلاع آپ کو بذریعہ وحی دی گئی تھی۔

مرزا صاحب کا گیارہ سال تک اس اجماعی عقیدے پر قائم رہنے کے بعد (جس کا اقرار انھوں نے خود بھی اپنے بیان مندرجہ بالا میں کیا ہے) محض بزعم اپنے اجتہاد کے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے وفات پا جانے

کا دعویٰ کرنا اور ان کی مزعومہ قبر سرینگر (کشمیر) میں ہونے کے انکشاف کا دعویٰ کرنا محض اس لحاظ سے باطل ہو جاتا ہے کہ وہ احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ اگر اس عقیدے کی صحت میں کوئی کمی ہوتی تو اول تو قرون اولیٰ ہی میں اس کی تصحیح ہو جاتی۔ دوئم یہ کہ امت کا اجماع کبھی نہیں ہوتا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ اس دلیل کی رو سے مرزا صاحب۔ کا تیرہ سو سال کے بعد اپنے لئے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ جو ان کے اپنے مزعومہ الہام کا مرہون منت ہے اور جو کہ احادیث صحیحہ کے برخلاف اور اجماع امت کے عقیدے سے متصادم ہے قطعاً باطل اور بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ امت محمدیہ کبھی بھی ایک غلط عقیدے پر اجماعی صورت میں قائم نہیں رہ سکتی تھی اور صلحائے امت اور مقتدر اولیائے عظام اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ ارشاد فرماتے اور سب سے بڑھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہمارے لئے مشعل راہ تھا۔

پس ثابت ہو گیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے مقام نبوت تک پہنچنے کے لئے تدریجی ارتقاء سے کام لیا ان کو بخوبی معلوم تھا کہ امت محمدیہ اول اول ان کی نبوت کو تسلیم نہیں کرے گی اور اسی لئے انہوں نے پہلے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا اور جب کچھ لوگ اس کے عادی ہو گئے تو گیارہ سال کے بعد حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی وفات اور مدفن کا پروپیگنڈہ کر کے اس تدریجی عوامل کو مدنظر رکھ کر مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ کیونکہ جب تک وہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے وفات پا جانے کا لوگوں کو یقین نہیں دلاتے ان کے لئے جگہ خالی نہیں ہو سکتی تھی اور جب انہوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ مسیح موعود کے مرحلے پر ان کو ماننے لگے ہیں تو دس سال کے بعد یعنی ۱۹۰۱ء میں نبوت کے دعوے کا اعلان کر دیا اور یہ تمام مراحل ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عمل میں لائے گئے۔

پھر ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ گذشتہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم میں سے کسی نے بھی یہ تدریجی ارتقاء کے مراحل اختیار نہیں کئے۔ بلکہ یک دم اعلانِ نبوت ہی کیا اور دعوے کے بعد کبھی بھی منصب نبوت سے سر مو ہٹ کر کوئی دعوت دی بلکہ ہمیشہ اول اور آخر اور ہر حال میں نبی کے منصب پر فائز ہونے کا اعلان کرتے رہے خواہ ان کی کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کی گئی ہو اور یہی بات ایک سچے مامور من اللہ کے شایان شان ہے نہ کہ مرزا صاحب کی طرح جب کہ انہوں نے کہا "بھلا مجھے قبول نہیں کرتے تو یوں سمجھ لو کہ مہدی موعود خَلق اور خُلق میں ہمرنگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا" مطلب یہ ہے کہ اگر مجھے نبی یا موعود ماننے سے تمہیں انکار ہے تو مہدی ہی مان لو۔ (ایک غلطی کا ازالہ صہ ۱۱) اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ مرزا صاحب درحقیقت مامور من اللہ نہیں تھے اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اپنا مشن چلا رہے تھے اگر مامور من اللہ ہوتے تو شروع ہی سے نبوت کا دعوے کر دیتے اور آخر تک اسی ایک دعوے پر قائم رہتے ۔